ماہنامہ

مسلمان بچے®

بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان

لاہور پاکستان

203

محرم ۱۴۴۶/جولائی 2024

www.musalmanbachay.com

ایک نمونہ ایک دعا



دو تھے مجاہد

سلطان ٹیپو شہید

بوجھو بجھکڑ اور رازِ سربستہ

مزید ڈھیروں دلچسپ کہانیاں

بے نیازی

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

پاکستان

بچوں کے

اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے

مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

مُحرم ۱۴۴۶ھ بمطابق جولائی 2024ء

شمارہ: 1   جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

''بے شک منافق جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے اور تو ان کے واسطے ہرگز نہ پائے گا کوئی مددگار مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیا تو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ جلدی ایمان والوں کو بہت بڑا ثواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ قدر دان جاننے والا ہے۔'' (سورۃ النساء)

حمد باری تعالیٰ

نہ کسی کا در دکھانا میرے مولا
اپنے آگے ہی جھکانا میرے مولا
ہر گھڑی اپنی تجلی کی وہ کرنیں
میرے دل پر بھی گرانا میرے مولا
تجھ کو ڈھونڈیں لوگ سارے مسجدوں میں
شہرِ دل تیرا ٹھکانہ میرے مولا
راندۂ درگاہ کہیں نہ لوگ مجھ کو
اس ندامت سے بچانا میرے مولا
وحشتوں کے اُن کٹھن لمحوں میں ہم پر
شمع رحمت کی جلانا میرے مولا
سنے گا وہ غموں کو پاس آکر
دل سُنائے پھر فسانہ میرے مولا
بر نہ آئی گر تمنا میری عصمت
کیا کہے گا پھر زمانہ میرے مولا

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ سوال کیا گیا کہ اس کے بعد کونسا عمل (سب سے افضل ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل (سب سے افضل ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج مبرور۔ (بخاری، مسلم)

نعت رسول مقبول ﷺ

رخشندہ ترے حسن سے رخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
ہرگام ترا ہم قدمِ گردشِ دوراں
ہر جادہ ترا رہ گزرِ خلدِ بریں ہے
ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حُسنِ ارادت کا امیں ہے
جس میں ہو ترا ذکر، وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام، وہی بات حسیں ہے
چمکی تھی جو ترے نقشِ کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
تو خاتمِ دوراں کا درخشندہ نگیں ہے
آیا ہے ترا اسمِ مبارک مرے لب پر
گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے



ایک دُعا یاد کیجئے

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ (الاعراف: ۲۳)

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ

ترجمہ: مجلسوں کے لئے امانت داری لازم ہے۔ (ابوداؤد)

پروفیسر انور جمیل

کڑا ہے وقت

جہاں میں جب بھی کہیں کفر کا نظام رہا
ہمیشہ دار و رسن کا ہی اہتمام رہا

اسی کو تمغہ عطاء امن و آشتی کا ہوا
وہ جس کے عہد میں مقتل کا التزام رہا

جو جاں بلب تھے سدا کے وہ جاں بلب ہی رہے
جو تشنہ لب تھے ہاتھوں میں ان کے جام رہا

لگائی جس نے بھی نعرۂ حریت کی صدا
اس ایک جرم میں برسوں وہ زیر دام رہا

ملا ہے تیغ و ترقی میں ان کو جب بھی کمال
نظام آتش و آہن سے ان کو کام رہا

ہوئی ہیں جب بھی فتوحات اہل باطل کو
تو اہل حق کا ہمیشہ ہی قتل عام رہا

ہے انتباہ یہ لازم ستمگروں کے لیے
ستم ہی ردعمل بن کے انتقام رہا

کڑا ہے وقت یہ انورؔ تو کٹ ہی جائے گا
ہے کب جہاں میں سدا جبر کا نظام رہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

نیا اسلامی سال 1446 ہجری مبارک ہو

كُلُّ عَامٍ وَّ اَنْتُمْ بِخَیْر

اللہ تعالیٰ اس سال کو تمام عالم اسلام کے لئے فتوحات اور برکات کا سال بنائے۔ آمین

سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ہے جنہیں قرآن میں ''اَشْھُرِ حُرُم'' یعنی خاص حرمت اورِ تعظیم والے مہینے قرار دیا گیا۔ ان مہینوں کے بہت سے خاص احکام ہیں، سب سے خاص حکم فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ ہے یعنی گناہوں سے بچنا۔ ویسے تو مسلمان کو ہر وقت ہر دن گناہوں سے بچنا چاہئیے لیکن ان چار مہینوں میں بطور خاص اس کی تاکید ہے کیونکہ ان میں گناہوں پر وبال اور پکڑ بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ دنوں راتوں مہینوں کے خالق ہیں۔ انہوں نے جس دن اور رات میں چاہا کہ نیکی کا اجر بڑھا دیا جائے بڑھا دیا۔ جیسے رمضان المبارک کے دن اور راتیں، عشرہ ذی الحجہ کے دن اور راتیں، لیلۃ القدر، شب براءت وغیرہ۔ اس طرح ان چار مہینوں میں گناہوں کی شدت اور ان پر سختی کو بڑھا دیا ہے۔ اس لئے ان چار مہینوں کو اس احتیاط کے ساتھ گزارنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ التوبہ کی آیت نمبر (36) میں یہ پورا مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

اسلامی کیلنڈر کا احیاء اور مسلمانوں میں اس کا رواج اسی لئے ضروری ہے کہ دین کے ان بڑے بڑے احکام کا علم اسی پر موقوف ہے۔ زکوٰۃ، روزہ اور حج جیسے فرائض اور سال میں خاص فضائل اور احکام والے دن اور راتیں صرف اسی کے ذریعے ہی معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ اس

لئے تمام مسلمان بچے اس امر کا ضروری اہتمام کریں کہ انہیں ہر اسلامی مہینے کا علم ہو۔ابتداء پر نظر رکھیں تا کہ چاند دیکھنے کا مسنون عمل اور اس کی دعاء کا عمل زندہ رہے۔ہر دن اسلامی تاریخ کا علم رکھیں تا کہ خاص ایام کے آنے سے پہلے ان کی تیاری ہو جایا کرے۔حرمت والے مہینوں کو جانیں اور ان کے خاص احکام معلوم کریں یہ قرآن مجید کے ضروری احکام میں سے ہے۔ دنیوی ضروریات کے لئے شمسی کیلنڈر کا علم رکھنا کوئی بری بات نہیں لیکن اس کی وجہ سے ہجری کیلنڈر کو فراموش کر دینا بری بات ہے اور اس میں آخرت کا بہت سا خسارہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

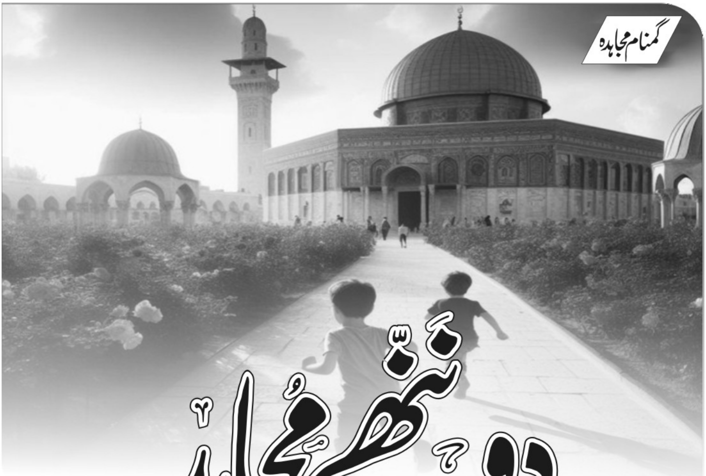
محرم الحرام کے مہینے کی دسویں تاریخ جسے ''یوم عاشوراء'' کہا جاتا ہے ایک عظیم الشان دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں واقع ہوئیں ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن کا ہمیشہ روزہ رکھا اور آخری سال اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملانے کی خواہش کا اظہار فرمایا جس قدر ممکن ہو اس روزے کا اہتمام کریں اور اس دن کی خرفات اور بدعات جو بعد میں ایجاد ہوئیں ان سے مکمل احتراز برتیں۔

اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ



گمنام مجاہدہ

دو ننھے مجاہد

دو ننھے مجاہدین کی محبت کی داستان اُن کے استاد کی زبانی۔ یہ کہانی ہے دو ننھے بچوں کی جن کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور قبلہ اول (بیت المقدس) سے محبت قابل دید ہے کہ جسے پڑھنے والے کی آنکھیں نم ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

...❀...❀❀

احمد اور عمر دونوں دوست تھے۔ جن کی عمر تقریباً 10 سال کے لگ بھگ تھی اور وہ کلاس 6th میں زیرِ تعلیم تھے۔ ایک دن ان کے اُستاد نے کلاس میں بچوں سے پوچھا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ تو کسی نے کہا کہ میں بڑے ہو کر انجینئر بنوں گا کسی نے کہا میں ٹیچر بنوں گا کسی نے کہا ڈاکٹر بنوں گا غرض ہر کسی نے کچھ نہ کچھ کہا لیکن احمد خاموش رہا۔

سر نے احمد سے پوچھا: احمد آپ کیا بنو گے لیکن احمد بدستور خاموش رہا تو سر نے غصے سے دو، تین تھپڑ رسید کیے اور کلاس سے نکل گئے۔

احمد بھی روتا ہوا گھر کی طرف نکل پڑا کہ پیچھے سے اُس کا دوست عمر آوازیں لگاتے ہوئے دوڑتا ہوا اُس تک پہنچا اور کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا کہ احمد یار!! تم نے سر کو بتایا کیوں نہیں کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ تم نے اِس وجہ سے مار بھی کھالی تو احمد روتے ہوئے بولا:

”عمر! اگر میں بتا دیتا تو یہ مجھے اسکول سے بھی نکال دیتے اور میرے ماں باپ کو بھی یہاں نہ رہنے دیتے۔“

''ایسا کون سا خواب ہے تمہارا کہ تمہارے بتانے سے یہاں تک نوبت آتی؟''عمر نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا

''پہلے تم وعدہ کرو کہ کسی کو بتاؤ گے تو نہیں؟''

احمد نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

''ہاں! ٹھیک ہے میں نہیں بتاؤں گا۔ان شاءاللہ!''عمر نے کہا

''عمر! تمہیں پتہ ہے، میں نا بڑے ہو کر القدس فتح کروں گا۔''احمد کی آنکھوں میں ایک چمک واضح ہوئی تھی

''القدس!!وہ کیا ہوتا ہے؟''عمر نے حیرت سے پوچھا

''القدس! وہی قدس جس کو صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تھا۔''احمد نے کہا

''پہلے تم مجھے القدس کے بارے میں بتاؤ!''

عمر نے پرتجسس لہجے میں پوچھا

''القدس!!!مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول اور خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہے۔ مسجد اقصیٰ حقیقت میں مسلمانوں کی میراث ہے جو تاریخی اور مذہبی حقائق سے ثابت ہے مگر یہ جس جگہ پر تعمیر کی گئی ، یہود کے موقف کے مطابق اِس جگہ پر پہلے سُلیمانی ہیکل تھی۔ مُسلمانوں کے یروشلم شہر پر قبضہ کرنے کے بعد یہ مسجد تعمیر کی گئی۔

حالانکہ قرآن کریم میں سفر معراج کے باب میں اس مسجد کا ذکر ہے۔گویا یہ مسجد حضور ﷺ کے بعثت سے بھی پہلے موجود تھی۔متعدد روایات کے مطابق خانہ کعبہ کے بعد دوسری عبادت گاہ الاقصیٰ تعمیر ہوئی تھی۔مسجد کا تعلق اللہ کی عبادت سے ہے اور ہر نبی کو عبادت کے لئے مسجد کی ضرورت تھی۔ یہاں تک درست ہے کہ موجودہ دور میں اس مسجد کی معروف نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہے حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق اس مسجد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے تعمیر کرایا۔لیکن اسے کلیتاً ہیکل سلیمانی قرار دینا تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔

ہیکل کا لفظ رہائش گاہ محل یا دربار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔گمان غالب ہے کہ نبی اللہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی رہائش کا حجرہ بھی مسجد میں ہی بنا رکھا ہو اور اپنے متبعین کا اجتماع بھی مسجد میں ہی کرتے ہوں اس لحاظ سے اس مسجد کو ہیکل سلیمانی یعنی سلیمان علیہ السلام کا محل یا دربار کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہو۔حالانکہ یہ مسجد فی الواقع زمین پر دوسری تعمیر ہونے والی مسجد ہے۔

مقامی مسلمان اسے المسجد الاقصیٰ یا حرم قدسی شریف (عربی: الحرم القدسی الشریف) کہتے ہیں ۔یہ مشرقی یروشلم میں واقع ہے جس پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ یہ یروشلم کی سب سے بڑی مسجد ہے جس میں 5 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے جبکہ مسجد کے صحن میں بھی ہزاروں افراد نماز ادا کرسکتے

ہیں۔ 2000ء میں الاقصیٰ انتفاضہ کے آغاز کے بعد سے یہاں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سفر معراج کے دوران مسجد حرام سے یہاں پہنچے تھے اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کو نماز کی امامت کرانے کے بعد براق کے ذریعے سات آسمانوں کے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

قرآن مجید کی سورۃ الاسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“ (الاسرائیل)

احادیث کے مطابق دنیا میں صرف تین مسجدوں کی جانب سفر کرنا باعث برکت ہے جن میں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی شامل ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ

”میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

مسجد حرام (بیت اللہ)

تو میں نے کہا کہ اس کے بعد کون سی ہے؟

تو نبی کریم ﷺ فرمانے لگے:

مسجد اقصیٰ

میں نے سوال کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چالیس سال، پھر جہاں بھی تمہیں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو کیونکہ اسی میں فضیلت ہے۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے اور معراج میں نماز کی فرضیت کے بعد 16 سے 17 ماہ تک مسلمان مسجد اقصیٰ کی جانب رخ کر کے ہی نماز ادا کرتے تھے پھر تحویل قبلہ کا حکم آنے کے بعد مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگیا“

تھوڑی دیر توقف کے بعد پھر احمد بولا:

”جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جہاں انہوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی۔ مسجد اقصیٰ سے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے یہی مسجد بعد میں مسجد اقصیٰ کہلائی کیونکہ قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں اس مقام کو مسجد اقصیٰ کہا گیا ہے۔ اس دور میں بہت سے صحابہ نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی خاطر بیت المقدس میں اقامت اختیار کی۔

مسجد اقصیٰ کا بانی حضرت یعقوب علیہ السلام کو مانا جاتا ہے اور اس کی تجدید حضرت سلیمان علیہ السلام نے

کی۔ بعد میں خلیفہ عبد الملک بن مروان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرائی اور خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اس کی تعمیر مکمل کی اور اس کی تزئین و آرائش کی۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی اس مسجد کی مرمت کرائی۔

پہلی صلیبی جنگ کے بعد جب عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا تو انہوں نے مسجد اقصیٰ میں بہت رد و بدل کیا۔ انہوں نے مسجد میں رہنے کے لیے کئی کمرے بنا لیے اور اس کا نام معبد سلیمان رکھا، نیز متعدد دیگر عمارتوں کا اضافہ کیا جو بطور جائے ضرورت اور اناج کی کوٹھیوں کے استعمال ہوتی تھیں۔ انہوں نے مسجد کے اندر اور مسجد کے ساتھ ساتھ گرجا بھی بنا لیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے 1187ء میں فتح بیت المقدس کے بعد مسجد اقصیٰ کو عیسائیوں کے تمام نشانات سے پاک کیا اور محراب اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔

مسجد اقصیٰ کے نام کا اطلاق پورے حرم قدسی پر ہوتا تھا جس میں سب عمارتیں جن میں اہم ترین قبۃ الصخرۃ ہے جو اسلامی طرز تعمیر کے شاندار نمونوں میں شامل ہے۔ تاہم آج کل یہ نام حرم کے جنوبی جانب والی بڑی مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ مسجد جو نماز کی جگہ ہے وہ قبۃ الصخرۃ نہیں، لیکن آج کل قبہ کی تصاویر پھیلنے کی بنا پر اکثر مسلمان اسے ہی مسجد اقصیٰ خیال کرتے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسی کوئی بات نہیں مسجد تو بڑے صحن کے جنوبی حصہ میں اور قبہ صحن کے وسط میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔

زمانہ قدیم میں مسجد کا اطلاق پورے صحن پر ہوتا تھا اور اس کی تائید امام ابن تیمیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

"مسجد اقصیٰ اس ساری مسجد کا نام ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بعض لوگ اس مصلی یعنی نماز پڑھنے کی جگہ کو جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی اگلی جانب تعمیر کیا تھا اقصیٰ کا نام دینے لگے ہیں، اس جگہ میں جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا نماز پڑھنا باقی ساری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اگست 1969ء کو ایک آسٹریلوی یہودی ڈینس مائیکل روحان نے قبلہ اول کو آگ لگا دی جس سے مسجد اقصیٰ تین گھنٹے تک آگ کی لپیٹ میں رہی اور جنوب مشرقی جانب عین قبلہ کی طرف کا بڑا حصہ گر پڑا۔ محراب میں موجود منبر بھی نذر آتش ہو گیا جسے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح بیت المقدس کے بعد نصب کیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے قبلہ اول کی آزادی کے لیے تقریباً 16 جنگیں لڑیں اور ہر جنگ کے دوران وہ اس منبر کو اپنے ساتھ رکھتے تھے تاکہ فتح ہونے کے بعد اس کو مسجد میں نصب کریں۔

اس المناک واقعہ کے بعد خواب غفلت میں

ڈوبی ہوئی امت مسلمہ کی آنکھ ایک لمحے کے لیے بیدار ہوئی اور سانحے کے تقریباً ایک ہفتے بعد اسلامی ممالک نے موتمر عالم اسلامی (او آئی سی) قائم کر دی۔ تاہم 1973ء میں پاکستان کے شہر لاہور میں ہونے والے دوسرے اجلاس کے بعد سے 56 اسلامی ممالک کی یہ تنظیم غیر فعال ہوگئی۔

یہودی اس مسجد کو ہیکل سلیمانی کی جگہ تعمیر کردہ عبادت گاہ سمجھتے ہیں اور اسے گرا کر دوبارہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کبھی بھی بذریعہ دلیل اس کو ثابت نہیں کر سکے کہ ہیکل سلیمانی یہیں تعمیر تھا۔"

اتنا کہہ کر احمد خاموش ہوگیا تو عمر بولا:

"اوہ!! اچھا تو یہ تو بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کون تھا؟"

احمد نے جواب دیا:

"الناصر صلاح الدین بن یوسف بن ایوب جنہیں عام طور پر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایوبی سلطنت کے بانی تھے۔ وہ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کے مشہور ترین فاتحین و حکمرانوں میں سے ایک ہیں۔ وہ 1138ء میں موجودہ عراق کے شہر تکریت میں پیدا ہوئے۔ ان کی زیر قیادت ایوبی سلطنت نے مصر، شام، یمن، عراق، حجاز اور دیار باکر پر حکومت کی۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو بہادری، فیاضی، حسن و خلق، سخاوت اور بردباری کے باعث نہ صرف مسلمان بلکہ مسیحی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کارناموں میں نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی بازی لے گئے۔ ان میں جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بیت المقدس کی فتح ان کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کو فاتح بیت المقدس کہا جاتا ہے جنہوں نے 1187ء میں یورپ کی متحدہ افواج کو عبرتناک شکست دے کر بیت المقدس ان سے آزاد کروالیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ 1193ء میں دمشق میں انتقال کر گئے، انہوں نے اپنی ذاتی دولت کا زیادہ تر حصہ اپنی رعایا کو دے دیا۔ وہ مسجد بنو امیہ سے متصل مقبرے میں مدفون ہیں۔ مسلم ثقافت کے لئے اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ، صلاح الدین کا کردار، ترک اور عرب ثقافت میں نمایاں طور پر احترام کیا جاتا ہے۔ انہیں اکثر تاریخ کی سب سے مشہور کرد شخصیت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

اور تم جانتے ہو عمر!! آج پھر القدس اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے وہ اُسے گرانا چاہتے ہیں اور مسلمان بہن بھائیوں پر ظلم وستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ خواتین کو بے آبرو کیا جا رہا ہے۔ بچوں کو بے دردی سے شہید کیا جا رہا ہے۔ بے گھر کیا جا رہا ہے۔ لیکن افسوس!! کہ کوئی اُمتِ مسلمہ کا درد محسوس نہیں کر رہا۔ اللہ اکبر!!!" یہ کہتے ہوئے احمد کی آنکھیں بھر آئیں۔

عمر بھی غمزدہ ہوگیا، پھر بولا:

”تو احمد!! تم کیسے القدس کو فتح کرو گے؟ تم اتنی فوجیں کیسے تیار کرو گے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور نے بھی تو اتنی فوجیں تیار کی تھیں تمہارے پاس تو کوئی فوج ہی نہیں ہے۔“

”عمر!! میں دین کی دعوت دوں گا اور جب وہ قبول کرلیں گے تو میں فیملی اور فرینڈ سرکل کے گروپس بناؤں گا ان کو آگاہی دیں گے اور ایسی نوجوان نسلوں کو تیار کریں گے اور ان کے ساتھ القدس کی طرف پیش قدمی کریں گے ان شاء اللہ!“ احمد نے عمر کو اپنے منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا

”ان شاء اللہ لیکن دیکھ لو احمد! تمہارے عزائم بہت خطرناک ہیں۔“ عمر نے اُس کو کہا:

”عمر! میرے بھائی! کیا ہم ان کا درد محسوس کر سکتے ہیں؟ ان کے آنسو کو دیکھ سکتے ہیں؟ شام، یمن، فلسطین، عراق، کشمیر اور یوکرین کے بچے ہمارے منتظر ہیں اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ ٹک ٹاک پر ناچ رہے ہیں۔ بالی وڈ، ہالی وڈ موویز دیکھنے میں مصروف ہیں۔ غیر مسلمانوں کو دیکھ کر ان کو اپنا کرش بنانے میں مصروف ہیں۔

جسٹ امیجن! قیامت کا دن ہے اور ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور ہم سے سوال پوچھا جا رہا ہے کہ وہ جگہ جہاں میرے محبوب نے تمام انبیاء کی جماعت کروائی تھی اور تمہارا قبلہ اول ہے تم نے کیا کیا اس کے لیے؟ اس سب کے بعد تو کیا کہیں گے کہ ہم تو مصروف تھے دنیا بنانے میں۔ ہمیں جہاد سے تو کوئی واسطہ ہی نہیں تھا ہم نے اپنی نسلوں کی تربیت بھی انگریزوں کے نقش قدم پر کی۔ ہم نے دین اس لیے نہیں سکھایا کہ وہ تو پرانے زمانے کا تھا اور زمانہ تو ایڈوانس ہوگیا تھا اسی لیے چھوڑ دیا۔ ہمیں تو مرنے پر بھی یقین نہیں رہا تھا؟ کیا یہ لیم ایکسکیوز بنائیں گے کوئی جواب ہے ہمارے پاس؟... کیا تب میں سر جھکا کر کھڑا رہوں گا؟

نہیں عمر! میں تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی محبت نہیں کرتا کہ میں اس کے سامنے کسی بات کو لے کر شرمندہ ہوں میں تو اُس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ قیامت والے دن میں اُن کے ہر سوال کے جواب کے بارے میں یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ میں نے آپ کے لئے کوشش کی تو میں تو کوشش کروں گا۔“

یہ کہتے ہوئے احمد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور عمر کی بھی آنکھیں نم ہوگئیں۔

پھر عمر مخاطب ہوا:

”احمد بھائی! میری بات سنیں! آپ کا دل اور عزائم بہت پختہ ہیں۔ تو کیا آپ القدس فتح کرتے وقت مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے؟“

بقیہ صفحہ 25 پر

سوئے مدینہ



مکہ شہر سے باہر مدینہ جانے والے ایک قافلے نے پڑاؤ کیا ہوا تھا اور وہ اس قافلے کے ساتھ مدینہ جانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار اس شوق اور وارفتگی سے کیا کہ غریب ماں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی۔ ماں کے لیے یہ بڑا کڑا امتحان تھا۔

ایک طرف وہ اپنے بچے کو بہترین زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتی تھی تو دوسری طرف زندگی کے واحد سہارے سے ایک لمبے عرصے کے لیے جدائی کا تصور اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

مالی تنگدستی کے باعث وہ بچے کے لیے زادِ سفر کا اہتمام کرنے کے قابل بھی نہ تھی۔ بچے کا شوقِ علم خم ٹھونکے ماں کی مامتا کے مقابل کھڑا تھا۔ ایک جھڑی تھی جو ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت جاری ہوگئی اور جب ماں کے چہرے کا مطلع صاف ہوا تو اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا:

''ٹھیک ہے بیٹے! میں تمہیں پڑھنے کے لیے ضرور بھیجوں گی“

یہ کہتے ہوئے فکرمندی اور غم کی پرچھائیں سی



ابوبکر محمد عثمان

اس کے چہرے پر چھا گئی۔ ماں کے غم انگیز چہرے کو دیکھ کر لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا:

”ماں! اگر آپ میرے جانے سے اتنا ہی پریشان ہیں تو میں اصرار نہیں کرتا۔ آپ کی خدمت میں رہ کر ہی جو کچھ خدا کو منظور ہو گا سیکھ لوں گا۔“

”نہیں بیٹا!“ ماں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا

”تیرا یہ شوق تو میری دُعاؤں کی مراد اور خوابوں کی تعبیر ہے۔ اس کے لیے تو میں نے راتوں کو جاگ کر اور اپنے رب کے حضور دامن پھیلا کر دُعائیں مانگیں کہ وہ میرے لال کو اپنے نبی سلام کے علم سے مالا مال کر دے۔“

یہ کہتے ہوئے ماں نے بیٹے کو خود سے چمٹا لیا اور آہستہ آہستہ اس کے سر اور گالوں پر اپنے کھردرے ہاتھ پھیرنے لگی۔

”لیکن اماں پھر آپ اتنی فکرمند اور پریشان کیوں ہیں؟“ لڑکے نے ماں کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا

”بیٹے! میں فکرمند اس لیے ہوں کہ تجھے اتنے لمبے سفر پر کس زادِ راہ کے ساتھ روانہ کروں؟ گھر میں نہ کوئی درہم و دینار ہے جو تیری ضروریات میں کام آئے اور نہ اناج ہی ہے کہ پکا کر تیرے ساتھ کر دوں۔“

یہ کہتے ہوئے ماں کی آواز پھر بھرا گئی۔ جلد ہی اس نے خود کو سنبھالا اور یقین و ایمان سے بھرپور لہجے میں کہنے لگی:

”بیٹے! تو فکر نہ کر! جس کی راہ میں تو نکل رہا ہے، وہ تیری ضرورتوں کا انتظام بھی کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کی ضرورتیں وہاں سے پوری کرتا ہے جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ چکی تھی۔

کمرے کے ایک کونے میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا صندوق پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے کھولا اور اس میں سے دو پرانی یمنی چادریں چارپائی پر پھیلائیں اور پھر تہہ کر کے بیٹے کو دیتے ہوئے کہا:

”جاؤ! میں نے تجھے اس پروردگار کے حوالے کیا جس کی تو امانت ہے۔ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ وہ ضرور تیری دستگیری کرے گا۔“

اس نے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے گلے لگایا۔ ماں کا دل ایک دفعہ پھر بھر آیا، آنکھیں ابلتا چشمہ بن گئیں۔ اس نے اپنے بوسیدہ دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلائے اور چہرہ آسمان کی طرف اُٹھایا۔

”اے رحمان و رحیم ذات! میں اپنے جگر گوشے کو تیرے محبوب رسول ﷺ کا علم حاصل کرنے کے لیے تیری راہ میں بھیج رہی ہوں۔ جس طرح تو نے مجھے بے کس و بے نوا کی دُعائیں قبول کر کے اس کو شوقِ علم سے نوازا ہے اسی طرح اپنی

راہ کے اس مسافر کی بے کسی میں غیب سے مدد فرما!"

پھر اس نے بیٹے کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا:

"جا بیٹے! خدا تجھے آسمان علم کا درخشندہ ستارہ بنائے۔ اللہ ہی بہترین حفاظت کرنے والا اور وہی سب سے زیادہ دستگیری کرنے والا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے بیٹے کو رخصت کیا اور پھر دیر تک اسے جاتے تکتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔ مکہ سے نکل کر وہ اس راستے پر چل پڑا جو ذی طویٰ کی وادی کی طرف جاتا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی اور ٹیلوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے جب اس نے ایک اونچے ٹیلے کی بلندی سے دیکھا کہ چند چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں ایک قافلہ پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ چھوٹے چھوٹے خیموں کے درمیان جلتے چولہوں سے دھوئیں کے مرغولے اُٹھ رہے تھے۔ ایک طرف قافلے والوں کا سامان ڈھیروں کی صورت میں پڑا تھا۔ قریب ہی سواری کے اونٹ جگالی کر رہے تھے۔ قافلے کو دیکھ کر اس کے قدم تیز ہو گئے لیکن وہ یہ سوچ کر فکر مند ہو گیا کہ وہ قافلے والوں کے لیے اجنبی ہے، نجانے ان کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہو۔ وہ ابھی قافلے کے امیر سے ملاقات کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک نہایت ہی شریف صورت بزرگ کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

اس نے بڑھ کر بزرگ کو سلام کیا اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کی۔ بزرگ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر جیسے وہ کسی معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہو، اس نے اپنا سر ہلایا اور بڑی شفقت اور لجاجت بھرے انداز میں اصرار کرنے لگا:

"بیٹا! تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس سفر کے دوران تم میرے مہمان رہو گے اور مجھے خدمت کا موقع دو گے"

اس کے لیے ہامی بھرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد دستر خوان بچھ گیا اور وہ بھی بے تکلفی کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ دستر خوان پر موجود تمام لوگ پانچوں انگلیوں سے کھانا تناول کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ تین انگلیوں سے کھانے کا عادی تھا لیکن ان کی دیکھا دیکھی وہ بھی پانچ انگلیوں سے کھانے لگا مبادا کہ وہ اس سے اجنبیت محسوس کریں۔

کھانے سے فارغ ہو کر اس نے اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔ جواباً بزرگ نے نہایت عاجزی اور محبت کے ساتھ دعوت قبول کرنے پر اس کا شکریہ ادا کیا اور نہایت التفات سے دریافت کیا:

"برخوردار تم مکہ کے رہنے والے ہو؟"

"جی ہاں! مکہ ہی میرا مسکن ہے۔"
"قریشی ہو؟"
"جی ہاں! آپ نے درست سمجھا۔"
اس نے کسی قدر حیرت کے ساتھ جواب دیا اور پھر اس کی حیرانگی اس کے لبوں پر آ گئی لیکن آپ یہ تو بتائیے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں اور خاندان قریش سے میرا تعلق ہے۔
"برخوردار! اس میں کوئی کمال کی بات نہیں۔ ہر وہ آدمی جو مختلف قوموں اور قبیلوں میں اُٹھتا بیٹھتا ہے اس کے لیے اتنی پہچان کرنا کوئی مشکل نہیں، تمہارا لباس دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ تم شہر کے رہنے والے ہو۔ تمہارے کھانے کے ڈھنگ اور دستر خوان پر تمھیں بے تکلف کھاتے دیکھ کر یہ معلوم ہو گیا کہ تم قریشی ہو کیونکہ جو لوگ دوسروں کے دستر خوان پر بے تکلف کھاتے ہیں وہ دوسروں کو بھی دل کھول کر کھلانے سے خوش ہوتے ہیں اور قریش میں یہ خوبی سب قبائل سے نمایاں ہے" مرد بزرگ نے ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے ہوئے کہا۔
"بڑے میاں! یہ تو بتائیے کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟"
"مدینۃ النبی ہی ہم عاجز کا وطن ہے۔"
"کیا آپ بتائیں گے کہ اس وقت مدینہ میں کتاب اللہ کا عالم اور سنت رسول سے ہم سب سے زیادہ واقف کون ہے؟"
"میرے علم کے مطابق حضرت مالک یا تیمیہ بن انس سے بڑا عالم اور مفتی دین اور کوئی نہیں۔ اللہ ان کی قدر و منزلت میں اضافہ فرمائے۔ آمین"
امام مالکؒ کا نام سنتے ہی بیساختہ اس کی زبان سے نکلا:
" آہ میرا رب ہی جانتا ہے کہ امام مالکؒ سے ملنے کا مجھے کس قدر شوق ہے؟"
"برخوردار تم نیک مقصد کے لیے نکلے ہو اور اللہ انہیں بے سہارا نہیں چھوڑتا جو اس کے سہارے پر نکلے ہوں" یہ بات کرتے ہوئے بڑے میاں کے چہرے کی تمتماہٹ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں ایک طالب حدیث کی میزبانی اور مدد کر کے ایک روحانی خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر فضا پر گہرا سکوت رہا اور پھر بڑے میاں یکا یک کھڑے ہو گئے اور خیمے سے باہر چلے گئے۔
تھوڑی دیر گزری تھی کہ خیمے کا پردہ سرکا اور ایک نوجوان غلام نہایت ادب سے اندر داخل ہوا۔ سلام کے بعد اس نے کہا:
"آقا نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ میرے ساتھ آ جائیے!"
وہ غلام کے ساتھ باہر نکلا۔ چاند اپنی پوری روشنی ٹیلوں پر بکھیر رہا تھا۔ وہ چند خیموں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اونٹوں کے گلے میں

پہنچے۔ وہاں ایک طرف بڑے میاں ایک خوبصورت اور جوان اونٹ کی نکیل تھامے کھڑے تھے۔ جب وہ قریب پہنچے تو انہوں نے بڑی گرمجوشی سے کہا:

”نوجوان خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمھارا شوق پورا کر دیا۔ دیکھو! اس بھورے اونٹ پر تم صبح مدینہ روانہ ہو گے۔ کیا تمھیں یہ پسند ہے؟“

”میرے لیے تو آپ کی یہ شفقت ہی کافی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے قافلے میں ساتھ رکھنا گوارا کیا۔ یہ تو آپ کا اتنا بڑا احسان ہے جس کا اجر اللہ کی ذات ہی آپ کو دے سکتی ہے“

”تم پر میرا کوئی احسان نہیں۔ تم رسول خدا کے مہمان ہو اور تمھاری خدمت کرنا میرے لیے ایک اعزاز اور سعادت ہے۔ ہم خود تمھیں امام مالک کی خدمت میں پہنچائیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے بزرگ کے چہرے کی رعنائی اور آنکھوں کی چمک اس کی اندرونی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

علی الصبح روانگی کے وقت تمام اونٹ ایک قطار میں کھڑے تھے۔ بڑے میاں نے اسے بڑے ہی عزت و احترام کے ساتھ اس بھورے سجیلے اونٹ پر بٹھایا اور قافلہ عازم مدینہ ہوا۔

قافلہ منزل بمنزل مدینہ کی طرف بڑھتا رہا اور وہ برابر تلاوت میں مصروف رہا۔ قافلے کو روانہ ہوئے آج آٹھواں دن تھا۔

سنگلاخ اور خشک ٹیلوں کا طویل سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اور جگہ جگہ وادیوں میں ہریالی نظر آنے لگی تھی۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی جب وہ مدینے کے نواح میں کھجوروں کے باغات میں سے گزر رہے تھے۔ کھجوروں کے لمبے لمبے درختوں کے سائے اب اور زیادہ لمبے ہو گئے تھے۔ اونٹ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا وہ قرآن کے آخری سپارے کی سورتوں کی تلاوت کر رہا تھا اور جب مدینے کے در و دیوار پر اس کی نظر پڑی تو اس کی زبان پر لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ کی آیات تھیں۔ وہ خوشی سے اونٹ پر جھومنے لگا۔ غروب آفتاب سے پہلے ہی قافلہ جذب و شوق سے سرشار مدینے میں داخل ہوا۔ مسجد نبوی پر نظر پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

لرزیدہ جسم کے ساتھ وہ مسجد میں داخل ہوا۔ نماز پڑھی، روضہ رسول پر حاضری دی اور شاہ انبیاء کے حضور سلام پیش کیا۔ جب وہ روضہ رسول سے پلٹا تو اس نے دیکھا کہ مسجد میں ایک بزرگ نورانی صورت انتہائی تواضع اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

ان کے اردگرد نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد سر جھکائے مؤدب بیٹھی ان کا درس سن رہی ہے۔

بقیہ 87 صفحہ پر

سنہری پری

اُمِّ محمد عبداللہ



اطہر جیسے ہی دروازے کے قریب ہوا خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔

یہ شیشے کا ایک وسیع و عریض عالیشان دروازہ تھا جس کے اطراف رنگ برنگے ننھے منے پھولوں کی نفیس بیل نہ صرف اپنی بہار دکھا رہی تھی بلکہ اس کی مسحور کن خوشبو بھی فضا میں بکھری ہوئی تھی لیکن اطہر کی خوشی کی وجہ دروازہ نہیں بلکہ اس کے اندر دکھائی دینے والا منظر تھا۔

دروازے کے پار اسے تاحد نگاہ ایک پارک دکھائی دے رہا تھا جہاں بہت سے خوبصورت بچے کھیل رہے تھے۔ پارک کے عین درمیان قسم قسم کے جھولے لگے ہوئے تھے، بالکل سادہ بھی اور بجلی سے چلنے والے تیز رفتار جھولے بھی۔ دائیں جانب شاندار سفید اور سیاہ گھوڑے، ہاتھی اور اونٹ چاق و چوبند بچوں کو سواری کروانے کے لیے موجود تھے۔ بائیں طرف موٹر بائکس، کاریں اور ہوائی جہاز حتی کہ اڑن طشتری کی سواری بھی موجود تھی۔ ٹرین اور ٹرین کی پٹری بھی دکھائی دے رہی تھی۔ جھولوں کے ارد گرد ایسے لگتا تھا جیسے کوئی دریا بہہ رہا تھا جس میں کشتیاں چل رہی تھی۔ ان سب سے ہٹ کر ایک طرف جیسے کوئی فوڈ سٹریٹ موجود تھی جہاں انواع اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے۔

پارک میں ہر جانب پھول بھی کھلے تھے جن پر خوبصورت تتلیاں اور رنگ برنگے پرندے اڑ اور چہچہا رہے تھے۔ پارک میں موجود بچے کھیل رہے تھے، کھا پی رہے تھے، ہنس رہے تھے۔

اوہو مگر یہ کیا؟ اطہر نے دروازہ کھول کر اندر جانے کی کوشش کی تو اسے دروازہ بند ملا۔

"دروازہ کھولو! میں اندر آنا چاہتا ہوں۔"

اس نے جیسے ہی دروازہ بجایا ایک سنہرے پروں والی پری اپنی سنہری چھڑی کے ساتھ آ موجود ہوئی۔

"پیارے اطہر! یہ دروازہ کھلوانے کے لیے آپ کو اس راستے سے آنا پڑے گا۔"

پری یہ کہہ کر غائب ہوگئی اور اطہر اس جانب دیکھنے لگا جس طرف پری نے اشارہ کیا تھا۔

یہ ایک پگڈنڈی تھی جس کے اختتام پر سبز پتوں سے ڈھکی ایک محراب بنی ہوئی تھی اور جس پر سنہرے الفاظ منقش تھے۔

"عشرۂ ذوالحجہ"

اطہر بہت جوش سے محراب میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن وہ تو ایک جھٹکے سے باہر آ گرا ابھی اس کا سر چکرا ہی رہا تھا کہ اس کے قریب وہی سنہرے پروں والی پری ہوا میں اڑتے اڑتے آن رکی اور ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

"اچھے لڑکے! وہ دیکھو ذوالحجہ کا چاند، دعا پڑھ لو تا کہ امن اور سلامتی سے عشرہ ذوالحجہ میں داخل ہوسکو۔"

اطہر ذوالحجہ کا باریک سا چاند دیکھتے ہوئے ایک بار پھر جوش سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دعا تو مجھے یاد ہے۔

اے اللہ! یہ چاند نکال ہم پر ساتھ امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔"

اس نے خوشی خوشی دعا پڑھی اور محراب میں داخل ہوگیا۔ سامنے ایک وسیع شاہراہ تھی جس کے اطراف گھنے درخت شاہراہ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ وہ دو چار قدم ہی چلا کے ایک درخت نے جھک کر اس کا راستہ روک لیا۔ وہ اب آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اس نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا کہ ایک سنہری چڑیا چونچ میں ایک سنہری ربن اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا رہی تھی۔

ربن پر سرخ موتیوں سے لکھا تھا۔

"آگے بڑھنا ہے تو حج کی خواہش کرنا ہوگی۔ دعا اور کوشش سے کام لینا ہوگا۔"

جیسے ہی اس نے یہ عبارت پڑھی اسے یاد آیا کہ حج تو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور جو بھی حج پر جا سکتا ہو اسے خوشی خوشی یہ اہم فرض پورا کرنا چاہیے۔

"اللہ تعالیٰ میں بھی حج کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے بھی اس کی توفیق دیں۔ آمین۔" اطہر نے جیسے ہی دعا مکمل کی جھکا ہوا درخت ایک بار پھر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ رستہ کھل گیا اور اطہر آگے بڑھنے لگا۔

لیکن چند قدم ہی چلا ہوگا کہ شوخ رنگوں میں سجی ہوئی ٹوکریوں میں چاکلیٹس، چپس اور جوس ز

اس کے سامنے اس طرح آ گئے کہ وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا تھا بلکہ اس کا آگے بڑھنے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا وہ تو یہ سب کچھ یہیں بیٹھ کر کھانے کا سوچنے لگا تھا اور قریب تھا کہ وہ نیچے بیٹھ کر ایک ٹوکری پکڑ ہی لیتا کہ وہی سنہری پروں والی پری اور چڑیا آن موجود ہوئیں۔

"نادان لڑکے! یہ جنک فوڈ کھانا ہے یا اس حسین پارک کی فوڈ سٹریٹ کا بے مثال کھانا؟" پری نے اس تنبیہ کی۔

"یقیناً میں وہ کھانا کھانا چاہتا ہوں۔" اطہر کو جیسے ہوش آ گیا تھا

"تو جان لو! اللہ تعالیٰ کو عشرہ ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے بہت پسند ہیں اور نو ذوالحجہ کے روزے کی بہت فضیلت ہے اس دن حاجی عرفات کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور باقی لوگ ان کے ساتھ روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شامل ہوتے ہیں۔"

"جی! جی! میں نو ذوالحجہ کا روزہ ضرور رکھوں گا۔" جیسے ہی اطہر نے روزہ رکھنے کا عزم ظاہر کیا جنک فوڈ کی ساری ٹوکریاں غائب ہو گئیں اور وہ خوشی خوشی آگے بڑھنے لگا۔

تھوڑا آگے بڑھا تو شاہراہ کی بائیں طرف ایک سکرین پر ویڈیو گیمز چل رہی تھیں اس کا دل چاہا وہ تھوڑی دیر ویڈیو گیم کھیل لے لیکن جیسے ہی اس نے ویڈیو گیم کی جانب قدم بڑھائے ایک سفید کبوتر جانے کہاں سے اڑتا ہوا آیا اور اس کے سامنے ایک خط پھینک کر چلا گیا۔

اطہر نے خط اٹھا کر کھولا تو لکھا تھا۔

"یہ تمام کھیل صحت کے لیے خطرناک اور اس خوبصورت پارک تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں اگر آپ پارک تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ان دنوں میں آپ کو فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نوافل بھی ادا کرنے ہوں گے"

اطہر نے جیسے ہی خط پڑھا خوشی سے کہنے لگا۔

"میں نے تو رمضان المبارک میں تراویح ادا کی تھیں میرے لیے نفل پڑھنا مشکل نہیں۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ فالتو کھیل کود سے وقت بچا کر ان دنوں باجماعت نماز کے ساتھ ساتھ نوافل کا اہتمام بھی کروں گا"

جیسے ہی اطہر نے اس خیال کا اظہار کیا تمام ویڈیو گیمز اچانک غائب ہو گئیں اور وہ خوشی خوشی آگے بڑھنے لگا۔

اگلے موڑ پر ہر طرف خوبصورت پرندے چہچہا رہے تھے۔ اس نے غور سے پرندوں کی چہچہاہٹ سنی تو اسے یہ بہت مانوس لگی۔

"ارے واہ یہ تو تکبیرات پڑھ رہے ہیں مجھے بھی تو تکبیرات یاد ہیں اور عشرہ ذوالحجہ میں تو تکبیرات کثرت سے پڑھتے ہیں میں ان شاء اللہ سارا دن دل میں اور کسی وقت بلند آواز میں بھی تکبیرات ضرور پڑھوں گا تکبیرات پڑھتے

پڑھتے آگے سے آگے بڑھنے لگا مگر یہ کیا آگے جا کر یہ کھلی شاہراہ تو تنگ اور تاریک ہونے لگی تھیں اور نجانے کہاں سے کچی آبادی کے غریب بچے اس میں اس طرح آن بیٹھے تھے کہ رستہ بالکل بند ہو گیا تھا۔

مجھے بھوک لگی ہے اپنے کھانے میں سے کچھ کھانا دو۔

میرے کپڑے پھٹے ہیں مجھے اپنے کپڑوں میں سے کچھ کپڑے دو۔

مجھے بھی کھیلنا ہے اپنے کھلونوں میں سے مجھے کھلونے دو۔

وہ بچے فریاد کر رہے تھے۔

نہیں نہیں یہ سب چیزیں میری ہیں میں تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا۔

اس نے جیسے ہی انکار کیا راستہ بالکل بند ہو گیا۔ ایک بار پھر وہی سنہری پری اس کے پاس آ گئی۔

"پیارے اطہر! اپنی چیزوں میں سے جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہم کسی کو چیز دیتے ہیں تو اسے صدقہ کہتے ہیں اس شاہراہ پر آگے بڑھنے کے لیے آپ کو صدقہ دینا ہوگا" پری کی بات سن کر اطہر نے کچھ سوچا اور پھر اپنے کھانے میں سے کچھ کھانا اپنے کپڑوں میں سے کچھ کپڑے اور اپنے کھلونوں میں سے کچھ کھلونے اس نے ان بچوں کو دے دیئے۔

جیسے ہی اس نے یہ صدقہ کیا شاہراہ ایک مرتبہ پھر بہت وسیع اور روشن ہوگئی اور وہ مزے سے آگے روانہ ہوگیا وہ تکبیرات پڑھتا خوشی خوشی چلا جا رہا تھا کہ سنہری پری، چڑیا اور سفید کبوتر اس کے آس پاس اڑنے لگے اور اس سے کہنے لگے۔

"پیارے اطہر! آپ اس شاہراہ پر کامیابی سے چل رہے ہیں۔ ماشاء اللہ۔ تبارک اللہ۔"

اطہر کو وہ خوبصورت پارک اب بہت قریب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس پارک تک پہنچنے کا راستہ کامیابی سے طے کر آیا تھا اور وہ وسیع و عریض شیشے کا دروازہ اس کے لیے کھل رہا تھا..... سنہری پری، چڑیا اور کبوتر کہہ رہے تھے۔

"اطہر کے لیے اس دنیا کی رحمتوں برکتوں میں بھی حصہ ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی تفریح اور خوشیاں بھی اس کے لیے محفوظ ہو چکی ہیں۔"

اطہر بہت خوش اور نہال تھا، ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا کے جھونکے اسے پارک میں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

...❁...❁...

"اطہر! اطہر! بیٹا! اٹھو! نماز فجر کا وقت ہو گیا ہے۔"

اطہر کی امی جان اس کو جگا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھا۔

"امی جان! وہ پارک، وہ شاہراہ وہ پری،

چڑیا اور کبوتر وہ سب کیا تھا؟" وہ اپنی امی جان سے پوچھنے لگا۔

امی جان نے اطہر کو پیار سے دیکھا اور کہنے لگیں۔

"ایسا لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"

"جی ہاں! یہ خواب ہی ہوسکتا ہے"

اس نے اپنا خواب امی جان کو سنایا تو امی جان خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے واہ! اطہر! عشرہ ذوالحجہ میں کرنے والے سارے کاموں کی فہرست تو آپ نے خواب میں بنالی ہے۔"

"جی امی جان! فہرست اطہر نے بنائی ہے لیکن دیکھ لیجیے گا عمل تو میں ہی کروں گی۔" نور آپی نے شوخی سے کہا جو پاس ہی بیٹھی تھیں۔

"جی! سب سے پہلے تو میں ہی عمل کروں گا کیونکہ میں نے بھی تو دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کرنی ہے۔"

اطہر نے جوش سے مکہ لہراتے ہوئے کہا تو امی جان خوشی سے "ان شاءاللہ" کہتے ہوئے ہنس پڑیں۔

...۞...۞...۞

بقیہ: دو ننھے مجاہد

"کیوں نہیں میرے بھائی! اگر تمہارے دل میں پختہ ارادہ ہے اور تمہارے دِل میں یہ یقین ہے کہ ہم القدس فتح کرلیں گے تو میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوجاؤ!"

اُن کے اُستاد پیچھے چلتے آرہے تھے۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے حیرت سے یہ سوچ رہے تھے کہ اس چھوٹے سے بچے کے ذہن میں ایسی کیا چیز ڈال دی گئی کہ اُسے القدس سے اتنی محبت ہے اور اپنے خدا سے اتنی محبت ہے کہ وہ قیامت والے دن اس کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا ہے۔

اور وہ دونوں دوست یہ نغمہ گنگناتے ہوئے آگے بڑھے:

ہم جنگ یہ جاری رکھیں گے
کفار کو ہم للکاریں گے
ہم لے کر رہیں گے حق اپنا
دُنیا کو بتا کر دم لیں گے

اور اُستاد آنکھوں میں آنسو لیے اس عزم سے آگے بڑھا کہ آئندہ آنے والی ہر نسل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور القدس کو فتح کروانے کا واقعہ سنایا جائے تاکہ اُن کے دل میں القدس کی محبت اجاگر ہو۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ کبھی گھبرایا نہیں کرتے

...۞...۞...۞

حج کا زمانہ تھا۔قیام منیٰ کی پہلی رات تھی۔خلیفہ ہارون الرشید بھی حج کرنے گیا تھا اور منیٰ میں مقیم تھا۔اس کا وزیر فضل بن ربیع بھی ساتھ گیا تھا۔فضل اپنے خیمے میں سویا ہوا تھا۔کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔فضل کی آنکھ کھل گئی پوچھا:کون ہے؟

جواب ملا: امیر المؤمنین تشریف لائے ہیں فضل جلدی سے باہر نکلا تو دیکھا ہارون کھڑا تھا۔

ہارون نے کہا: میرے دل میں ایک خلش سی محسوس ہو رہی ہے، مجھے کسی باخدا بزرگ کے پاس لے چلو تا کہ وہ میرے دل کو تسکین دے سکے۔

فضل نے کہا:حرم کے مشہور محدث سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ قریب ہی مقیم ہیں۔مرضی ہو تو ان کے پاس لے چلوں؟

ہارون نے کہا:''ہاں ان کے پاس چلو!''

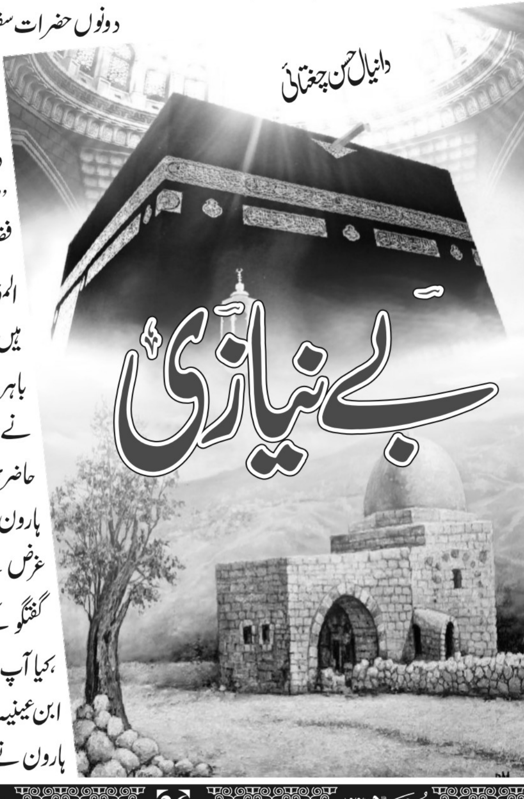
دونوں حضرات سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیمہ پر گئے، فضل نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی ''کون ہے؟''

فضل نے جواب دیا:امیر المؤمنین تشریف لائے ہیں۔ابن عینیہ جلدی سے باہر نکلے ہوئے امیر المؤمنین نے مجھے بلوالیا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا۔

ہارون نے کہا: ہم ایک خاص غرض سے آئے ہیں۔ کچھ دیر کی گفتگو کے بعد ہارون نے پوچھا ،کیا آپ پر کچھ قرض ہے؟

ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جی ہاں

ہارون نے فضل سے کہا، ابو العباس!



بے نیازی

دانیال حسن چغتائی

ان کے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دینا۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔

راستے میں ہارون نے فضل سے کہا، ان سے تو مجھے اطمینان قلب حاصل نہیں ہوا۔ فضل نے عرض کی، دوسری طرف عبدالرزاق بن ہمام صنعانی مقیم ہیں۔

ہارون نے کہا تو انہی کے پاس لے چلو!

خیمے کے پاس پہنچ کر فضل نے آواز دی۔ اندر سے سوال ہوا۔ کون ہے؟ فضل نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین تشریف لائے ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمام جلدی سے باہر نکل آئے۔ بولے: امیر المؤمنین طلب فرماتے میں حاضر ہو جاتا۔

ہارون نے کہا: ”میں ایک مقصد سے آیا ہوں اس کو پورا کرنے کی کوشش کیجئے!“

اس کے بعد ہارون نے کچھ دیر ان سے بات چیت کی پھر پوچھا آپ کچھ قرض دار ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، جی ہاں، ہارون نے فضل کو حکم دیا ان کا قرض ادا کر دیا جائے۔

دونوں باہر نکلے تو خلیفہ نے کہا، ان سے بھی میری تشفی نہیں ہوئی۔

فضل نے کہا، مشائخ حرم فضیل بن عیاض بھی یہیں مقیم ہیں، خلیفہ نے کہا ”انہیں کے پاس چلیں۔“

دونوں ان کے خیمے پر پہنچے تو وہ مصروف نماز تھے اور قرآن مجید کی ایک آیت کو بار بار دہرا رہے تھے۔ انہوں نے سلام پھیرا تو فضل نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا، کون ہے؟ فضل نے کہا، امیر المؤمنین تشریف لائے ہیں۔ سیدنا فضیل بن عیاض علی اللہ نے اندر سے ہی فرمایا ”مجھے امیر المؤمنین سے کیا غرض؟“

فضل نے کہا، سبحان اللہ! کیا آپ پر امیر المؤمنین کی اطاعت واجب نہیں؟ سیدنا فضیل بن عیاض نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن ساتھ ہی چراغ گل کر کے ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔

ہارون اور فضل دونوں اندھیرے میں ان کو ڈھونڈنے لگے۔ آخر ہارون نے ان کو پالیا۔ اس کا ہاتھ فضیلؒ کے ہاتھ سے ٹکرایا تو بولے کتنا نرم اور خوش نصیب ہاتھ ہے اگر یہ قیامت کے روز عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔

ہارون نے کہا، آپ پر اللہ کی رحمت ہو ہم جس غرض سے حاضر ہوئے ہیں اس کو پورا کریں۔

سیدنا فضیل نے فرمایا، آپ کسی غرض سے آئے ہیں؟ آپ نے خود بھی اپنی ذات پر اعتماد کر لیا ہے اور آپ کے ساتھی بھی آپ پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ اگر آپ ان سے کہیں کہ وہ آپ کے گناہوں کا کچھ بار اپنے اوپر لے لیں تو وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں گے بلکہ وہ جس قدر آپ سے اظہار محبت کرتے ہیں اتنا ہی دور بھاگیں گے۔ خیمہ اسی طرح تاریک تھا۔

سیدنا فضیل نے ایک لمحہ خاموش رہ کر پھر کہنا شروع کیا۔

''سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لی تو سالم بن عبد اللہ بن عمر فاروق، محمد بن کعب القرظی اور جابر ابن لحیاۃ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا میں آزمائش میں ہوں مجھے کوئی مشورہ دو تو امیر المؤمنین! انہوں نے خلافت کو ایک آزمائش خیال کیا مگر آپ کے ساتھی اسے نعمت سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

سالم نے جواب دیا اگر قیامت کے دن اللہ سے نجات چاہتے ہو تو مسلمانوں میں جو سن رسیدہ ہیں ان کو اپنے باپ کا ہم سر جو اوسط عمر کا ہے اس کو اپنا بھائی اور جو چھوٹا ہے اسے اپنی اولاد سمجھئے۔ اپنے باپ سے نیکی کے ساتھ پیش آئے۔ اپنے بھائی کو رحم وکرم سے نوازیئے اور چھوٹے پر شفقت کیجئے۔

جابر بن حیاۃ نے کہا اگر قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی وہی پسند کیجئے جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کیجئے وہ مسلمانوں کے لئے بھی ناپسند کیجئے۔ پھر جب چاہئے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیجئے۔

پس اے امیر المؤمنین! میں بھی آپ سے یہی بات کہتا ہوں۔ میں آپ کو اس دن سے ڈراتا ہوں جب بڑے بڑے مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ کیا آپ کے ساتھی عمر بن عبد العزیز کے ساتھیوں کی طرح ہیں جو آپ کو ان کی کی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔''

یہ سن کر خلیفہ اتنا رد یا کہ اسے غش آگیا۔ وزیر نے سیدنا فضیل سے کہا، امیر المؤمنین کے ساتھ نرمی اختیار کیجئے۔

فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

'' ربیع کے بیٹے! تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے امیر المؤمنین کو مار ڈالا اور ہمیں نرمی کی تلقین کرتے ہو؟''

خلیفہ کی طبیعت بہتر ہوئی تو اس نے فضیلؒ سے درخواست کی کچھ اور فرمائیے۔ سیدنا فضیلؒ نے فرمایا۔

''امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز کے ایک گورنر نے ان سے شکایت کی کہ اسے اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ رات میں اسے نیند نہیں آتی۔ عمر بن عبد العزیز نے جواب میں لکھا کہ دوزخی دوزخ میں ہمیشہ بیدار رہیں گے، کبھی سو نہ سکیں گے، اسے یاد کرو ایک روز تم کو سوتے یا جاگتے تمہارے رب کی طرف لے جایا جائے گا تو دیکھو ایسا نہ ہو کہ تمہارا قدم اس راستے پر ڈگمگا جائے اور تم عہد سے بچھڑ جانے والوں میں شمار کئے جاؤ اور امید تم سے منقطع ہو جائے۔

اس گورنر نے یہ مکتوب پڑھا تو منزلیں طے کرتا ہوا عمر بن عبد العزیز کے پاس پہنچا۔ ابن

عبد العزیز نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا، آپ کے مکتوب نے میرے دل کے پردے چاک کر دیئے۔ اب میں زندگی میں کسی صوبے کی گورنری قبول نہیں کروں گا۔"

ہارون الرشید یہ سن کر زار زار رو دیا اور کہا کچھ اور فرمائیے۔ سیدنا فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"امیر المؤمنین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کسی صوبے کی گورنری عطا فرمائیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عباس یہ ایسا نفس جسے تم زندہ اور سلامت رکھ سکو اس حکومت سے بہتر ہے جس کی ذمہ داریوں کا شمار نہیں۔ حکومت قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی اس لئے حکومت کی تمنا سے دل کا دامن بچا سکتے ہو تو بچاؤ!"

خلیفہ دھاڑیں مار مار کر رویا۔ بولا کچھ اور فرمائیے! سیدنا فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اے حسین و جمیل چہرے والے! قیامت کے روز اللہ تجھ سے مخلوق کے بارے میں سوال کرے گا۔ پس اس چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا اور زندگی کے شب و روز اس طرح گزار کہ تیرے دل میں اپنی رعایا کی طرف سے کینہ اور کھوٹ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کے دل میں اپنی رعایا کی طرف سے کینہ بھرا ہوا ہے وہ جنت کی بو بھی سونگھنے نہ پائے گا۔"

خلیفہ نے پوچھا، آپ پر کوئی قرض ہے؟

سیدنا فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہاں! مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس کا وہ مجھ سے محاسبہ کرے گا۔ پس ہلاکت ہے میرے لئے جب کوئی دلیل کام نہ دے گی۔

ہارون نے کہا: میری مراد لوگوں کے قرض سے ہے۔ سیدنا فضیل نے فرمایا۔

"میرے رب نے مجھ کو اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدہ کو سچ مانوں اور اس کی اطاعت بجالاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے جن و انس کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ میں نہ تو ان سے کوئی رزق چاہتا ہوں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔"

یہ فرما کر سیدنا فضیل رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ خلیفہ اپنے وزیر فضل بن ربیع کو لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے باہر نکل گیا اور فضل سے کہا، جب میں یہ کہوں کہ کسی کے پاس لے چلو تو ایسے ہی کسی شخص کے پاس لے چلا کر کہ یہ سید المسلمین ہیں۔

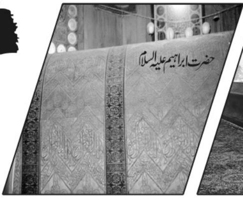
قرآن مجید سے سیدنا فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بدلی تھی۔ تمام عمر آپ پر قرآن مجید کا ہی اثر رہا۔

ابوشفاء

راز سربستہ



انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور





اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اس کا اختتام ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوا۔ ہم یہاں چند انبیاء اکرام کا مختصر تعارف اور ان کی قبور کی تصاویر پیش کر رہے ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں واقع ہیں۔

(1) حضرت یوشع علیہ السلام

حضرت یوشع بن نون علیہ السّلام 1350 قبل مسیح، مِصر میں پیدا ہوئے اور اُن دنوں وہاں فرعون کی حکومت تھی۔ آپ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے تعلق تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے خادمِ خاص تھے، چناں چہ اُن کی حیاتِ طیبہ کے واقعات میں آپ علیہ السّلام کا بہ کثرت تذکرہ ملتا ہے۔ روایات کے مطابق آپ، حضرت یوسف علیہ السّلام کے پڑپوتے تھے۔ مؤرخین نے آپ کا نسب یوں بیان کیا ہے، یوشع بن نون بن فراہیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ گو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ علیہ السّلام کا بہ طورِ نبی ذکر فرمایا ہے اور نہ ہی کہیں آپ علیہ السّلام کا نام آیا ہے، تاہم سورۂ کہف میں دو جگہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ایک نوجوان رفیق خاص کا ذکر ہے اور حضرت اُبی بن



کعبؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" وہ یوشع بن نون ہی ہیں۔" (صحیح بخاری)

یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی قبرِ مبارک ہے جوکہ اردن میں واقع ہے۔

(واضح رہے کہ فلسطین، مصر اور عراق سمیت کئی مقامات پر آپ سے منسوب مزارات ہیں)

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر ہیں، جن کو خلیل اللہ (اللہ کا دوست)



حضرت داوٗد علیہ السلام

کہا جاتا ہے، تقریباً چار ہزار سال قبل عراق میں پیدا ہوئے۔ تین بڑے مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کے عظیم پیغمبروں میں سے ایک ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ مذہبِ اسلام میں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی چودھویں سورت "سورہ ابراہیم" ان ہی سے موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احوال واوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں "اُمت" اور "امام الناس" کے لقب سے پکارا ہے اور انہیں متعدد مرتبہ "حنیف" بھی کہا ہے۔ قرآن کریم میں انہیں "مسلم" بھی کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سارے ایسے انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبرِ مبارک جوکہ فلسطین میں واقع ہے۔

(3) حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السّلام کے والد کا نام ہاران تھا، جو تارخ (آزر) کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے سگے بھائی تھے۔ یعنی حضرت لوط علیہ السّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے۔ آپؑ،



حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر سب سے پہلے ایمان

لانے والوں میں شامل ہیں۔ نیز، آپؑ، حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی کے زمانے میں اہلِ سدوم کی رہنمائی کے لیے نبوّت کے منصب پر فائز ہوئے۔ والد، ہاران کے انتقال کے بعد حضرت لوط اپنے چچا، حضرت ابراہیم کے ساتھ بابل میں مقیم رہے اور پھر ایک عرصے بعد سدوم نامی شہر میں آباد ہو گئے۔

یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قبرِ مبارک کی تصویر ہے جو کہ عراق میں واقع ہے۔

(4) حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام قومِ ثمود کی طرف مبعوث کئے گئے۔ یہ قوم اپنے عالی شان محلّات، سرسبز و شاداب کھیت کھلیان، خُوب صورت مرغزاروں اور نعمتوں کی فراوانی کے سبب غرور، تکبّر اور سرکشی کے نشے میں چُور تھے اور چوں کہ تکبّر اور کفر کا چولی دامن کا ساتھ ہے، تو یہ بھی ابلیس کے پیروکار بن گئے، حالاں کہ کچھ ہی عرصہ پہلے قومِ عاد پر قہرِ الٰہی کے مناظر اُن کے سامنے تھے۔ یہ بھی اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کے خداؤں کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے معاشرے سے حق و انصاف ناپید ہو چکا تھا۔ بے حیائی، فحاشی آخری حدود چُھو رہی تھی۔ مقدّس انسانی رشتوں کا احترام ختم ہو چُکا تھا۔ رقص و سرود، عیش و عشرت، شراب و شباب اُن کی زندگیوں کے لازمی جز بن چُکے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اُس قوم ہی میں سے ایک خدا ترس اور بہت نیک انسان، حضرت صالح علیہ السّلام کو نبوّت کے منصب پر



حضرت شعیب علیہ السلام

فائز فرمایا۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ”اور ہم نے (قومِ) ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔“ (سورۃ اعراف 73:)

یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قبرِ مبارک کی تصویر ہے۔

(5) حضرت داؤد علیہ السلام

قومِ عمالقہ کے ظالم و جابر بادشاہ، جالوت کی فوج کے مقابلے میں صف آرا بنی اسرائیل کے بادشاہ، حضرت طالوت کے لشکر میں ایک کم عُمر نوجوان بھی اپنی غلیل کے ساتھ شامل تھا، کیوں کہ نو عُمر ہونے کی وجہ سے اُسے اسلحہ نہیں دیا گیا تھا۔ جالوت جسم کو سامانِ حرب سے سجائے، نہایت رعونت اور تکبّر سے شاہی سواری پر بیٹھا اہلِ ایمان کو دعوتِ مبارزت دے رہا تھا۔ ابھی بنی اسرائیل کا

یہ چھوٹا سا لشکر کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک اُن کی صفوں میں موجود یہ کم عُمر نوجوان عقاب جیسی برق رفتاری سے باہر نکلا اور جالوت کے سامنے پہنچ کر اُسے للکارنے لگا۔ گوشت کے پہاڑ،



لحیم شحیم اور طویل القامت جالوت نے حیرت کے ساتھ نوجوان کو دیکھا، تو حقارت سے بولا ”جا! میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا، مَیں تجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔“ بے خوف نوجوان نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گرج دار آواز میں جواب دیا ”لیکن تجھے قتل کرنا مجھے پسند ہے۔“ پھر فلک پر چمکتے سورج کی تیز روشنی میں ارض و سما نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ نوجوان کی غلیل سے گولی کی طرح نکلے پتھر سے جالوت کا متکبّر سَر پاش پاش ہو چُکا تھا اور اُس کا طاقت وَر جسم زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ یہ سب اِتنا اچانک ہوا کہ جالوت کی اسلحے سے لیس فوج کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ نوجوان ایک چرواہا تھا، جو سارا دن جنگل میں بکریاں چَرایا کرتا اور غلیل سے بکریوں کے قریب آنے والے درندوں کو مار بھگاتا، لیکن قدرت نے تو اس کے لیے بڑے فیصلے کر رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور پھر اُسے نبوّت اور رسالت کے عظیم منصب پر فائز فرمایا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے ”داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُن کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جن جن چیزوں کا چاہا، اُنھیں علم دیا۔“ (سورۃ البقرہ، 251)

حضرت داؤد علیہ السلام کی قبرِ مبارک جو کہ فلسطین میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ عطاء کیا کہ آپ کی آواز نہایت شیریں تھی۔

(6) حضرت موسیٰ علیہ السلام

یہ 1520 قبل مسیح کی بات ہے۔ مِصر پر فرعون بادشاہ ”مرنفتاح ثانی“ کی حکومت تھی۔ بعض نے اُس کا نام ”منفتاح“ بھی لکھا ہے اور وہ والد، رمسیس کے بڑھاپے کی وجہ سے عملاً حکم ران بنا ہوا تھا۔ خدائی کا دعوے دار یہ بادشاہ بڑا ظالم و جابر تھا۔ اُس نے ”بنی اسرائیل“ کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، حضرت یوسفؑ نے اپنے والد، حضرت یعقوبؑ اور اپنے بھائیوں کے لیے ایک قطعۂ زمین اُس وقت کے فرعون بادشاہ ”ریان بن ولید“ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی یہی نسل ”بنی اسرائیل“

کہلائی، جو مِصر میں خُوب پَھلی پُھولی۔ یہ لوگ حضرت یعقوبؑ کے دین کے پیروکار تھے، اُنہوں نے فرعون کو سجدہ کرنے اور اُسے اپنا ربّ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے بادشاہ اور اُس کے حواری ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے اور اُن سے گھٹیا کام کرواتے۔ یاد رہے فرعون کسی خاص شخص کا نام نہیں بلکہ مِصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ تاریخی حقائق کے مطابق، 31 فراعنہ خاندانوں نے مِصر پر یکے بعد دیگرے حکومت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ مبارک فلسطین میں واقع ہے۔ قرآن میں آپ علیہ السلام کا نام موسیٰ اور لقب کلیم اللہ آیا ہے۔

(7) حضرت شعیب علیہ السلام

قرآنِ کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تذکرہ گیارہ مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ الاعراف، سورۃ ہود، سورۃ الحجر، سورۃ الشعراء اور سورۃ عنکبوت میں آپ علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ حضرت شعیب جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے، قرآنِ کریم میں اُسے ''اہلِ مدین''، ''اصحابِ مدین'' اور ''اصحابِ ایکہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔

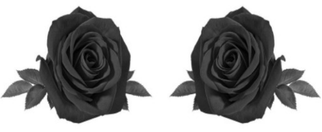
حضرت شعیب علیہ السلام کو ''خطیب الانبیاء'' یعنی ''نبیوں کا خطیب'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان میں اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقبرہ شام کے شہر دمشق میں واقع عمیاد مسجد میں تعمیر ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام قرآنِ پاک میں 5 مرتبہ آیا ہے۔

(8) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عرب کی سرزمین مکہ میں مبعوث کئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔ مکہ کے ظالم و جابر لوگوں کے ظلم وستم کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اس کا اختتام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کر دیا۔ اسی لئے آپ کو خاتم الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ نبی آخری الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال 63 برس کی عمر میں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روضہ مبارک سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں واقع ہے۔ یہاں اسلام کے دو پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدفون ہیں۔





حضرۃ مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

ایک دُعاء ایک نمونہ

اللہ تعالیٰ ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنائے...... موجودہ حالات میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک ''نمونہ'' اور ''طریقہ'' اختیار کریں اور ایک دعاء کا بہت اہتمام کریں......

نمونہ اور طریقہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور دعاء بھی وہی دعاء جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے رفقاء نے مانگی تھی...... یہ دعاء بہت مؤثر، بہت پرنور اور بہت طاقتور ہے...... بلکہ یوں سمجھ لیں کہ حفاظت کا قلعہ ہے۔ قرآن پاک کے اٹھائیسویں پارے کی سورۃ الممتحنہ کی آیت ۵، ۶، ۷ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کافروں سے تعلق کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے اور نمونے کو اپنائیں...... اور انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دعاء بھی سکھادی ہے جو کفر کے طوفانوں سے مقابلے کیلئے محفوظ کشتی اور سفینے کا کام دیتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے ان تین مبارک آیات کا خلاصہ...... اور اُن کے مضامین کی کچھ تفصیل......

خلاصہ

اہل ایمان کے لئے لازمی تاکید اور دستور عمل کہ وہ کفار و مشرکین سے تعلق کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کا طرز عمل اختیار کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے علی الاعلان کفار سے دشمنی، بغض اور براءت کا اعلان کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب تک تم ایمان

نہیں لاؤ گے ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم تمہیں کوئی حیثیت دیتے ہیں۔ (اصل چیز دین اور عقیدہ ہے باقی سب کچھ اس کے بعد ہے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ! ہم نے تمام کفار سے قطع تعلق کرکے صرف آپ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخر آپ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار کفار کو ہم پر غالب نہ کیجئے کہ اس کی وجہ سے وہ فتنے میں پڑ جائیں اور خود کو برحق سمجھنے لگیں۔ اور ہمارے گناہ بخش دیجئے۔

ایمان والوں کو پھر تاکید کی جاتی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں تو وہ کفار سے تعلق کے بارے میں ابراہیمیؑ طرز عمل اختیار کریں اور یاد رکھو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری پرواہ نہیں وہ غنی ہے اور خوبیوں والا ہے۔ تمہاری عبادت اور وفاداری کا محتاج نہیں۔

بہترین نمونہ، بہترین مثال

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے رفقاء، کفار کے مقابلے میں بہت کم تعداد اور کمزور تھے۔ شروع میں تو یہ کل تین افراد تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، آپ کی اہلیہ محترمہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔ جبکہ ان کے مدمقابل کفار ومشرکین بہت طاقتور تھے۔

ملک کا بادشاہ بھی مشرک تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی مشرک تھے۔ اتنی کمزوری کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام کافروں سے کھلی دشمنی اور براء ت کا اعلان فرمایا۔

اور ان سب کو بے حیثیت قرار دیا (کفرنابکم) بے شک کافر ومشرک بے حیثیت ہی ہوتا ہے۔ جس نے اپنے خالق و مالک اور معبود کو نہ مانا نہ پہچانا اس کی کیا حیثیت؟ جس نے بتوں کو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس کی کیا حیثیت؟

دین اور عقیدے کے زور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساری قوم سے قطع تعلق، اور بیزاری کا اعلان فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک تم سے ہمارے تعلقات بحال نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز عمل ظاہری طور پر جنون نظر آتا ہے آخر دو چار افراد اتنی بڑی قوم کے مقابلے میں کر ہی کیا سکتے ہیں؟ اس میں تو سوائے اپنی ہلاکت کے اور کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہی طرز عمل پسند آیا۔ اور قرآن پاک بتا رہا ہے کہ یہ جنون نہیں "توکل علی اللہ" تھا۔ اور اسی طرح کے طرز عمل سے دنیا میں بڑی تبدیلیاں آتی ہیں۔

اگر ایمان والے ہی ایمان کو کچھ نہ سمجھیں اور

کافروں کے سامنے دبے رہیں اور کافروں کی ظاہری ترقی سے مرعوب ہو کر ان کو معزز عالمی برادری تسلیم کرلیں۔ اور اپنی کامیابی ان کی برادری کا حصہ بننے میں سمجھتے رہیں تو پھر ان کی قدر کو کون تسلیم کرے گا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

یہ جوانمردی قادر مطلق کے بھروسے پر تھی

"نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور انکی قوم اور سردار بت پرست تھے، صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایمان لائی تھی، اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ (یعنی غالب) تھی اس بے کسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی، یہ جوانمردی محض اس قادر مطلق کے بھروسے پر تھی۔

(اللہ تعالیٰ) مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنی چاہیئے، مشرکین تمہارا کیا کرسکتے ہیں؟ کس لئے ان سے محبت رکھتے ہو؟ برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اس کے دشمنوں، بد دینوں، ملحدوں سے قطع تعلق کر دے، ان سے محبت اور یکانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتا" (حقانی)

دنیا خواہ متعصب کہے

"یعنی تم مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کے امیدوار ہیں، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیئے، دنیا خواہ تم کو کتنا ہی متعصب اور سنگدل کہے، تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو، جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کردیا، مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اگر اس کے خلاف چلو گے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستانہ گانٹھو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پرواہ ہے وہ تو بذات خود تمام کمالات اور ہر قسم کی خوبیوں کا مالک ہے، اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ (عثمانی)

کافروں کے سامنے جھکنا ایمان کیخلاف ہے

"ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے مباحثے ہوئے جگہ جگہ قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مداہنت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت کرتے ہو اس سے بیزار ہیں، اس اعلان کے ساتھ یہ بھی کہ ہم تمہارے منکر ہیں، ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض

ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی۔ جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ۔

اہل ایمان کو اس طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہئے، کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دین حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے۔ (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں ایمان کیخلاف ہیں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیں کہ ہم تم سے نہیں اور تم ہم میں سے نہیں، کافروں سے کسی قسم کی موالات اور مداہنت کا معاملہ نہ کریں گے۔" (انوار البیان)

ایک مؤثر اور جامع دعاء

طاقتور کافروں کے درمیان رہتے ہوئے ان سے کھلی دشمنی اور براءت کا اعلان آسان کام نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء نے یہ سخت مشکل کام اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کیا اور اس موقع پر انہوں نے جس دعاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد مانگی۔ وہ دعاء قرآن پاک کے واسطے سے سب امت کو بھی سکھا دی گئی۔

رَبَّنَا عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا وَاِلَیۡکَ اَنَبۡنَا وَاِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ رَبَّنَا لَاتَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔

"یعنی اے ہمارے رب ہم نے سب کو چھوڑ کر آپ پر بھروسہ کیا اور سب سے ٹوٹ کر آپ کی طرف رجوع ہوئے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم سب کو آپ کی ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کیلئے محل آزمائش اور تختۂ مشق نہ بنا اور ایسے حال میں مت رکھ جس کو دیکھ کر کافر خوش ہوں اور وہ اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلے میں خود کو حق پر سمجھنے لگیں۔

اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف فرما کہ اگر ان گناہوں کی سزا میں ہم پر برے حالات آئے تب بھی کافر یہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور ہم غلط راستے پر ہیں۔

اے ہمارے رب آپ غالب ہیں، حکمت والے ہیں، آپکی زبردست قوت وحکمت سے یہی توقع ہے کہ اپنے وفاداروں کو دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور نہ ہونے دیں گے۔ (مفہوم عثمانی، مظہری وغیرہ)

ہم کو کافروں کیلئے فتنہ نہ بنا

مسلمان جب غالب ہو تو وہ کفار کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ بن جاتا ہے کہ کافر اس کی حالت دیکھ کر ایمان کی طرف راغب ہوتے ہیں لیکن اگر مسلمان مغلوب اور غلام ہو تو اس کی یہ حالت کافروں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ جب اس کی کمزوری اور ظاہری ذلت دیکھتے ہیں تو انہیں اپنے کفر کی حقانیت کا یقین ہونے لگتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنے غلط عقیدے اور مذہب پر اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح آج کل

کے اکثر کفار کی حالت ہے کہ وہ کہتے ہیں ''ہم بہت اچھے ہیں اس لئے کہ ہم مسلمان نہیں'' (نعوذ باللہ)

اس مبارک دعاء ابراہیمی میں اللہ تعالیٰ سے یہی مانگا گیا کہ اے ہمارے رب ہمیں کفار کے لئے فتنہ نہ بنا''

حضرات مفسرین نے اس کے تین مطلب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) یااللہ ہمیں کفار کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور نہ اپنی طرف سے عذاب میں مبتلا فرما ورنہ یہ کفار کہیں گے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔

قال مجاهد: لاتعذبنا بايديهم ولا بعذاب من عندك فيقولوا: لو كان هؤلاء على حق ما اصابهم هذا وكذاقال الضحاك

(۲) یااللہ ان کافروں کو ہم پر غالب نہ فرما اگر یہ غالب ہوگئے تو وہ اس فتنے میں پڑ جائیں گے کہ وہ برحق ہیں اس لئے غالب ہیں۔

(۳) یااللہ انہیں ہم پر غالب نہ فرما ورنہ یہ ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائیں گے۔ (اور ستا ستا کر کافر بننے پر مجبور کریں گے)

عن ابن عباس لا تسلطهم علينا فيفتنونا۔ (تفسیر ابن کثیر)

گناہوں کی شامت سے بچا

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا

اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔

تفسیر مظہری میں ہے:۔

کبھی اپنے گناہوں کی وجہ سے مومن مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں اور کفار کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اس لئے درخواست مغفرت کا ذکر کیا گیا۔ (مظہری)

سوچ کا فرق

ایک سوچ یہ ہے کہ:۔

''ہم مسلمان ہیں، کمزور ہیں کفار بہت طاقتور ہیں وہ ہمیں بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ہم ان سے دوستی کرلیں، ان کے ساتھ تعاون کریں آخر ہم نے دنیا میں تو رہنا ہے''

گویا کہ کافروں کے شر سے صرف کافروں کی دوستی ہی ہمیں بچا سکتی ہے (نعوذ باللہ)

دوسری سوچ یہ ہے کہ

ہم مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ کا دشمن کافر ہوگا ہم اس کے دشمن ہیں۔ ہم ساری دنیا کے کفار کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں ہم کمزور ہیں، کفار طاقتور ہیں تو وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ صرف وہی ہمیں ہر نقصان سے بچا سکتا ہے۔ اور ہم نے ہمیشہ دنیا میں تو نہیں رہنا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اس لئے دنیا کے عارضی مفاد کی خاطر ہم کافروں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کریں۔

سخت تاکیدی حکم

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:۔

تاکید کا کوئی طریقہ ایسا نہیں جو ان آیات میں اختیار نہ کیا گیا ہو یعنی قسم کے ذریعہ، ترغیب کے ذریعہ، وعید کے ذریعہ الغرض ہر طریقے سے تاکید فرمائی کہ کافروں سے تعلق کے بارے میں صرف اور صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اختیار کرو۔

فلم یترک نوعا من التاکید الاجاء بہ۔ (المدارک)

مجاہدین کے لئے اہم سبق

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جو دعاء آئی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء ہے۔ جبکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دعاء سے پہلے ”قولوا“ کا لفظ مقدّر ہے۔ کہ اے مسلمانو! تم یہ دعاء مانگو۔

الغرض یہ دعاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ”اسوۃ“ ہو۔ تب بھی مجاہدین کو اسے اپنا معمول بنانا چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ”اسوۃ“ اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے کے کافروں سے کھلی دشمنی کا اعلان فرمایا اور یہ دعاء مانگتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی، غلبہ اور اپنی خصوصی رحمت عطاء فرمائی۔ ان کا کام بھی جاری رہا اور ان کا نام بھی آج تک مبارک ہے۔

اور دوسرے قول کے مطابق اگر ایمان والوں کو اس دعاء کے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو بھی اسے معمول بنانا ضروری ہوا اور اس صورت میں ربط واضح ہے کہ مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۃ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جو کہ کافی مشکل کام ہے تو اس میں آسانی کے لئے یہ دعاء سکھائی گئی کہ مسلمان یہ دعاء مانگیں اور اس دعاء کے تقاضوں پر عمل کریں

(واللہ اعلم بالصواب)

رَبَّنَا عَلَيۡكَ تَوَكَّلۡنَا متصل بما قبل الاستثناء وهو من جملة الاسوة الحسنة وقيل معناه قولوا ربنا فهو ابتداء امر من الله للمومنين بان يقولوه (المدارک)

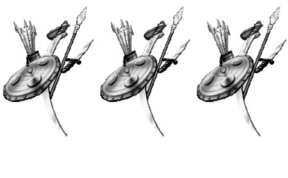
رَبَّنَا عَلَيۡكَ تَوَكَّلۡنَا وَاِلَيۡكَ اَنَبۡنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ

(آمین یا ارحم الراحمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا کثیرا

☆......☆......☆





خلوص یا فلوس

عبداللہ ترابی

"پورے ایک اسی کا پڑا ہے شہزاد!"

شہزاد کے استفسار پر سیٹھ بشیر نے اپنی توند سہلاتے ہوئے کہا۔

"ہوں ۔۔۔! ایک اسی ۔۔۔!؟ کچھ زیادہ ہی مہنگا نہیں لے آئے اس بار سیٹھ!"

شہزاد نے اپنی بائیں ہاتھ سے اپنی ڈاڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں مہنگا تو ہے پر معلوم پڑا تھا کہ سلمان عباسی اس بار اپنا جانور ڈیڑھ لاکھ کا خرید کر لایا ہے اور پورے محلے میں ڈھنڈورا پیٹ رکھا ہے"

سیٹھ بشیر نے شہزاد کو اصل مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"ڈیڑھ لاکھ ۔۔!!! اور سلمان عباسی کی وہ لاغر بچھیا ۔۔۔! ارے اس کی تو پسلیاں تک نظر آتی ہیں ۔۔! بھولے سے کوئی قصاب بھی اس جیسی بچھیا 50 ہزار میں نہ لے ۔۔!"

شہزاد نے پے در پے کئی جملے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سلمان عباسی پر کس دیے۔ ان کی اس گفتگو کو چند قدم دور کھڑا محمد اپنے بکرے کی رسی تھامے پورے انہماک سے سننے میں مصروف تھا۔

☆......☆......☆

اگلی شام جب محمد اپنے بکرے کو سیر کی غرض سے گھمانے باہر نکلا تو اس کا سامنا اس کے دوست اسامہ سے ہوگیا۔

عید الاضحی کے دن قریب آ جانے کے باعث محمد کی طرح اسامہ بھی اپنا بکرا لیے گھر کے باہر ٹہل رہا تھا۔

''ارے اتنا دبلا بکرا؟؟''محمد کے قریب آتے ہی اسامہ حیرانگی سے اس کا بکرا دیکھنے لگا اور اسامہ کا منہ سا بنا رہ گیا۔

''ہمارا کا موری بکرا دیکھو !بڑے بڑے سینگ، موٹی سیاہ چمکدار آنکھیں ،اونچا قد اور خوبصورت سرخ وسفید رنگت اور اس کے گلے کا ہار اور پاؤں کے گھونگرو اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے ہیں۔''

اسامہ بولتا ہی چلا گیا اور اس کی ہر جملہ محمد کے دل پر ایک گہری خراش چھوڑ جاتا۔

برسین لانے کا بہانہ بنا کر محمد نے اس سے جان چھڑائی اور گھر کی راہ لی ۔ بکرے کو کھونٹے سے باندھ کر وہ اپنے کمرے میں سسکیاں لینے لگا۔

شام کو جب محمد کے دادا جان گھر آئے تو محمد نے انہیں سیٹھ بشیر اور شہزاد کی گفتگو اور اسامہ کے ساتھ پیش آنے والی اپنی روئیداد سنائی ۔ دادا جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

''بیٹا! ایسی باتوں پر دل چھوٹا نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں سے خوب واقف ہیں ۔ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی غرض سے قربانی کرنا، اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

عمل میں اگر اخلاص نہ ہو تو آخرت میں سب بے سود ثابت ہو گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لئے کیا جائے اور صرف اس کی رضامندی مقصود ہو۔''(سنن نسائی 3142)

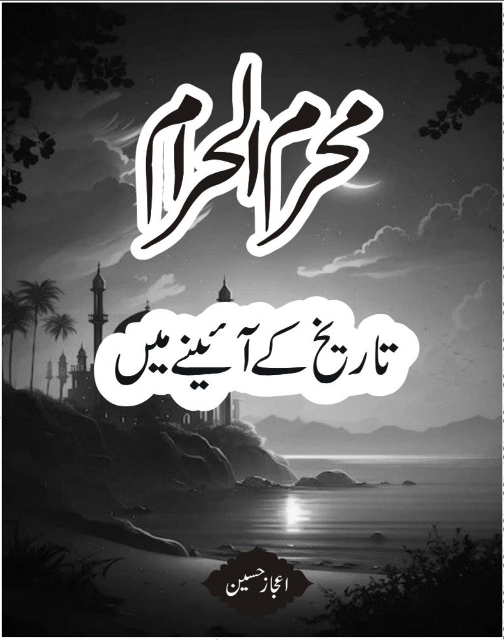
اگلی صبح محمد کے تین سالہ پالے ہوئے بکرے کے خون میں گرے محمد کے اخلاص کے دو آنسو سیٹھ بشیر جیسے ہزاروں افراد کی کی گئی قربانی پر بھاری تھے۔

لطف سجن

دین پور شریف کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا غلام محمد صاحب قدس سرہ کے شیخ و مربی قبلہ حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈیؒ دردِ گردہ میں مبتلا تھے، یہ درد کبھی کبھی اس شدت سے اٹھتا کہ خدا کی پناہ، دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا، بیماری کا علاج کروانا اگرچہ توکل کے خلاف نہیں ہے لیکن حافظ صاحب پر تفویض وتوکل اور راضی برضا رہنے کا ایسا غلبہ تھا کہ اس تکلیف دہ مرض کا کبھی علاج نہ کرایا، بلکہ جب بھی درد کا دورہ پڑتا حجرہ مبارک میں ٹھنڈی ریت ڈلوا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے اور گھنٹوں ریت پر لوٹ پوٹ ہوتے رہتے اور زبان پر یہ سادہ سا شعر جاری رہتا جو کئی دیوانوں پر بھاری ہے۔

لطف سجن دم بدم، قہر سجن گاہ گاہ
این وی سجن واہ واہ، اوں وی سجن واہ واہ

(شاہین ۔ لاہور)



ہمارا نظریہ دین اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت ، وطنیت ،نسل پرستی یا زبان نہیں ہے، بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے، ہر قوم کا کوئی نہ کوئی کیلنڈر رہا ہے۔ یہودیوں کا سن ٣٧٠٠ ق م سے شروع ہوتا ہے، عیسوی سن کی ابتداء حضرت عیسیٰ عزوجل تعالیٰ کے یوم ولادت سے ہوتی ہے، اس طرح سن ہجری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرتِ مدینہ کی یاد دلاتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا یہ سفر آٹھ ربیع الاول کو ہوا۔ جو عیسوی سن کے مطابق ٢٠ ستمبر ٦٢٢/ کا واقعہ ہے، یہیں سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے، جس کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نافذ کیا اور اسی سال یکم محرم الحرام سے اسلامی سن کی ابتداء کی گئی۔ گویا پہلے اسلام صدی کی ابتداء اور آغاز ١٦ جولائی ٦٢٢/ کو ہوا۔ اس امر میں بھی ایک عجیب حکمت پنہاں ہے کہ جب پہلی اسلامی صدی کی ابتداء ہوئی تو یکم محرم الحرام کو جمعہ کا دن تھا۔

قمری تقویم اور اس کے فوائد

اگر ہم سن ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں۔ تو یہ سن بہت سی باتوں میں دوسروں سے منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔

سن ہجری کی ابتداء چاند کو بنایا گیا۔ اور اسلامی مہینوں کا تعلق چاند سے جوڑا گیا۔ یہ تقدیم خالق کی بنائی چیز سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس میں کسی پیوند کاری کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسلام چونکہ سادہ، عجزوانکساری والا آسان مذہب ہے لہٰذا چاند کے ذریعے ہر علاقہ کے لوگ خواہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا کہ جنگلوں میں خواہ جزیروں میں۔ ان کے لئے آسان ہے کہ اپنے

معاملات چاند کے مطابق طے کریں۔اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں۔

اس کے برعکس دیگر تقویم میں ہر آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔جبکہ چاند ہر جگہ نکلتا ہے۔کسی مشکل حساب کتاب کی ضرورت نہیں جبکہ دوسری تاریخوں میں یہ بات نہیں۔

اسلام چوں کہ دین فطرت اور عدل و انصاف کا دین ہے۔اس میں مساوات و ہمہ گیری ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے آیا کریں۔لہٰذا قمری تقویم کو بنیاد قرار دیا گیا۔اگر اسلام دیگر اقوام کے طریق کو اپنا لیتا یا گوارہ کر لیتا جیسے شمسی (عیسوی) تقویم تو ماہ صیام کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے ہمیشہ آسانی میں رہتے۔اسی طرح سفرِ حج کا بھی یہی حال رہتا۔

محرم الحرام اور تاریخ انسانیت

طلوع اسلام سے قبل بھی تاریخِ انسانیت کے بے شمار واقعات محرم الحرام میں رونما ہوئے۔یہ واقعات محض اتفاقی یا حادثاتی نہ تھے بلکہ قسامِ ازل کا اٹل فیصلہ تھا جو ہونا تھا اور ہو کر رہا۔

ذیل میں چند اُن واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جو محرم الحرام میں ظہور پذیر ہوئے:

محرم الحرام اور تاریخ اسلام

ذیل میں ہم تاریخ اسلام کے اُن واقعات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو محرم میں رونما ہوئے:

(۱) شعب ابی طالب کی محصوری جو یکم محرم ۴ نبوی کو ہوئی۔

(۲) نکاح سیدہ فاطمہ الزہرہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ۲ ہجری۔

(۳) غزوہ غطفان ۳ ہجری۔

(۴) نکاح سیدہ اُم کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(۵) سلاطین عالم کو دعوت اسلام ۷ ہجری۔

(۶) غزوہ خیبر ۷ ہجری۔

(۷) وفد اشعرین کا قبول اسلام ۷ ہجری۔

(۸) نکاح ام المومنین سیدہ صفیہ ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) غزوہ وادی القریٰ ۷ ہجری۔

(۱۰) عام الوفود ۹ ہجری۔

(۱۱) تقرر عاملین زکوٰۃ ۹ ہجری۔

(۱۲) طاعونِ عمواس ۱۸ ہجری۔

(۱۳) امارتِ سیدنا امیر معاویہ ۱۹ ہجری۔

(۱۴) خلافت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ یکم محرم ۲۴ ہجری۔

(۱۵) فتح قبرص ۲۸ ہجری۔

(۱۶) خلافت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۳۴ ہجری۔

(۱۷) جنگ صفین ۳۷ ہجری۔

(۱۸) فتوحات افریقہ ۴۵ ہجری۔

(۱۹) ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ ۱۳۱ ہجری۔

(۲۰) بنو اُمیہ کا قتل عام ۱۳۳ ہجری۔

(۲۱) قیصر روم کی شکست ۱۳۸ ہجری۔

(۲۲) مسجد نبوی کی توسیع ۱۶۱ ہجری۔

(۲۳) مصر پر عیسائیوں کا قبضہ ۳۰۹ ہجری۔

(۲۴) نوحہ ماتم کی ابتداء ۳۵۲ ہجری۔

(۲۵) ہلاکو نے بغداد کو تاراج کیا ۶۵۲ ہجری۔

(۲۶) حکومت شیر شاہ سوری ۹۴۷ ہجری۔

(۲۷) دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵/ محرم ۱۲۸۳ ہجری۔

(۲۸) کعبۃ اللہ پر بے ادب ٹولے کا حملہ ۱۴۰۰ ہجری۔

ماہ محرم الحرام میں وفات یا شہادت پانے والی چند شخصیات

(۱) سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

(۲) شہادت سِیدنا عمر فاروق ؓ

(۳) شہادت سیدنا ابو ایوب انصاری ؓ

(۵) سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ

(۶) اُم المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

(۷) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(۸) شہادت سِیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

☆......☆......☆

توکل کرنا

انسانوں کے سامنے رونا اور کمزور پڑنا کبھی کبھی بعد میں انسان کو مشکل میں ڈال دیتا ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے رونا اپنی کمزوری کا اظہار انسان کو ایسی مضبوطی عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے بہادر چہرے اور دل کی تقویت کے ساتھ لوگوں کا سامنا کرسکتا ہے۔ اگرچہ ضرورت پڑنے پر کسی سے مدد مانگ لی جائے، کسی کے کندھے پر سر رکھ دیا جائے یا دل بھر آنے پر کسی کے سامنے آنسو ٹپک پڑیں یہ انسان کو کمزور نہیں کرتا لیکن یہ دھیان رکھنا بھی ضروری ہے کہ کہیں ہم اُس ہستی کو بھول کر جو ہمارے دلوں کو تسکین عطاء کرتا ہے انسانوں کے پیچھے اُن کی توجہ کے منتظر بنے تو نہیں بھاگ رہے؟؟ کیا ایسا تو نہیں کہ ہمارے آنسو کسی انسان کو ہمدرد پا کر تو چھلک جاتے ہیں لیکن تنہائی میں اپنے رب سے باتیں کرنے اور اُس کے سامنے دل کا ٹوٹنا اور اُداسی کا اظہار کرنا ہم بھول جاتے ہیں؟؟ پہلا سہارا اور واحد سہارا تو وہی ہے اور اُسی پر توکل بھی ہماری ضرورت ہے۔

(انور الٰہی)

☆☆☆

چالاک ہرن

چالاک ہرن نہ صرف اپنی پھرتی اور تیزی کی وجہ سے جنگل میں مشہور تھا بلکہ اپنے نام کی طرح بے حد چالاک بھی تھا۔

ایک دن وہ جنگل میں مزیدار پھلوں اور دوسری کھانے پینے کی چیزوں کے لیے گھوم رہا تھا۔ اگر چہ وہ بہت چھوٹا تھا مگر وہ بالکل بھی خوفزدہ نہیں تھا۔ اسے پتہ تھا کہ بہت سے بڑے بڑے جانور اسے اپنی خوراک بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے انہیں چالاک ہرن کو پکڑنا ہوگا جو قطعی ناممکن تھا۔

اچانک چالاک ہرن کو کسی کے دہاڑنے کی آواز آئی۔ وہ یقیناً ایک چیتا تھا۔

چالاک ہرن کیسے ہو تم؟ میں بہت بھوکا ہوں۔ میرے لیے کچھ کرو۔ دیکھو اگر تم چاہو تو میرے دوپہر کا کھانا بن سکتے ہو۔ لیکن چالاک ہرن بالکل چیتے کا کھانا نہیں بننا چاہتا تھا۔ آخر اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور اپنے ذہن سے کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ اس نے ایک کیچڑ کا ڈھیر پڑا دیکھا۔

”لیکن چیتے میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ یہ آج بادشاہ کا کھانا ہے اور اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔“

”یہ کیچڑ۔“ چیتے نے حیرانی سے کہا۔

”ہاں.... یہ ہی ہے بادشاہ کا کھانا۔“ چالاک ہرن نے کیچڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور تمہیں کیا پتہ کہ اس کا ذائقہ دنیا بھر میں سب سے اچھا ہوتا ہے۔ بادشاہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی اور اسے کھائے۔“



چالاک ہرن کی یہ باتیں سن کر پہلے تو چیتا دیر تک اس کیچڑ کو تکتا رہا۔ پھر بولا۔"میں بادشاہ کے اس کھانے کو چکھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں چیتے۔ بادشاہ سلامت بہت غصہ ہوں گے۔

"لیکن صرف تھوڑا سا چکھوں گا۔ بادشاہ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

"اچھا تو پھر ایسا کرو کہ مجھے یہاں سے بہت دور جانے دو تاکہ کوئی مجھ پر الزام نہ لگا سکے۔"

" ٹھیک ہے چالاک ہرن تم یہاں سے جاسکتے ہو۔" چیتے کا اتنا کہنا تھا کہ چالاک ہرن نے وہاں سے دوڑ لگا دی اور یہ جا وہ جا۔ اس کے بعد جب چیتے نے وہ مٹی سے بھرا کیچڑ چکھا تو آخ تھو کرتا رہ گیا۔ اسے چالاک ہرن کی یہ حرکت بہت بری لگی۔ اس نے اسے سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگرچہ چالاک ہرن بہت تیز دوڑتا ہے مگر اس کی رفتار اس سے زیادہ ہے۔ یہ سوچ کر اس نے پھر چالاک ہرن کا پیچھا کیا۔ بالآخر اس نے چالاک ہرن کو جالیا۔

چالاک ہرن تم نے ایک بار پھر مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اب تمہیں میرا کھانا بننا پڑے گا۔"

اب چالاک ہرن نے دوبارہ ادھر ادھر دیکھا۔ اسے ایک شہد کا چھتہ نظر آیا۔ اس نے کہا۔

"مگر چیتے میں آج تمہارا کھانا نہیں بن سکتا کیوں بادشاہ نے مجھے اس ڈھول کی حفاظت کرنے کا کہا ہے۔"

"بادشاہ کا ڈھول ؟ مگر کہاں ہے؟" چیتے نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ رہا۔" چالاک ہرن نے شہد کے چھتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس ڈھول کی آواز پوری دنیا میں سب سے اچھی ہے۔ بادشاہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی اس کی آواز سنے۔"

پھر چیتے نے کہا۔"لیکن میں اس بادشاہ کے ڈھول کو بجا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

" نہیں نہیں چیتے۔ بادشاہ بہت غصہ ہوں گے۔"

"صرف ایک چھوٹی سی ضرب۔ صرف ایک مرتبہ جس کا بادشاہ کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

"اچھا تو پھر مجھے یہاں سے بھاگنے دو تاکہ مجھے پر الزام نہ آسکے۔"

" ٹھیک ہے چالاک ہرن تم بھاگ سکتے ہو۔"

اب تو چالاک ہرن فوراً فو چکر ہو گیا۔

" واہ بھئی۔ بادشاہ کا ڈھول کتنا اچھا ہے۔" چیتے نے اتنا کہا اور درخت پر چڑھ کر اسے ہاتھ سے ایک ضرب لگائی۔

"بززززز۔" اب کیا تھا۔ ساری شہد کی مکھیاں باہر نکل آئیں اور چیتے کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اس نے درد سے چیخنا شروع کر دیا۔ کسی طرح جلدی سے درخت سے نیچے اترا اور ایک تالاب میں کود

کر جان بچائی۔

اب تو چیتا غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ وہ ہر قیمت پر چالاک ہرن کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ اس نے پھر دوڑ لگائی اور تیزی سے چالاک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے اس جالیا۔

"چالاک ہرن تم نے دو مرتبہ مجھے دھوکہ دیا۔ لیکن اب تمہیں میرا کھانا بننا پڑے گا۔" چیتے نے غصے میں کہا۔

چالاک ہرن نے پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اسے ایک بڑا سا اژدھا نظر آیا۔ وہ اپنا جسم لپیٹ کر مزے سے سو رہا تھا۔

"نہیں نہیں چیتے۔ میں تمہارا کھانا نہیں بن سکتا کیوں کہ بادشاہ نے مجھے اپنے بیلٹ کی حفاظت کرنے کو کہا ہے۔"

"بیلٹ! کہاں ہے بادشاہ کی بیلٹ؟" چیتے نے حیران ہو کر سر گھمایا۔

"وہ رہی۔" چالاک ہرن نے اژدھے کی جانب اشارہ کیا۔ اس کا رنگ برنگا جسم دیکھ کر چیتا بہت متاثر ہوا۔

"دیکھو چالاک ہرن کیا میں یہ بیلٹ پہن کر دیکھ سکتا ہوں؟"

"نہیں نہیں۔ اگر بادشاہ سلامت کو پتہ چل گیا کہ ان کی بیلٹ کسی اور نے پہنی ہے تو وہ بہت غصہ ہوں گے۔"

"صرف ایک بار۔"

"اچھا تو پھر مجھے بھاگنے دو تا کہ مجھ پر الزام نہ آسکے۔"

چیتے نے پھر ہر مرتبہ کی طرح اسے بھاگنے کی اجازت دے دی۔

"ارے واہ بادشاہ کی بیلٹ۔" چیتے نے یہ کہا اور لپک کر اژدھے کو اٹھالیا۔ ابھی اس نے کھڑے ہو کر بڑے فخر سے وہ "بیلٹ" اپنی کمر میں لپیٹی۔ اژدھا پہلے تو سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پھر اچانک اس نے بڑا سا منہ کھولا۔ چیتا اتنے بڑے اژدھے کو دیکھ کر ڈر گیا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد کبھی چیتے نے ہرن کی طرف بھوکی نظروں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

☆......☆......☆

خشوع اور خضوع

خضوع کا معنی ہوتا ہے ظاہری اعضاء کو ادب کی وجہ سے جھکانا اور خشوع کا معنی ہوتا ہے دل کو اللہ کی طرف جھکائے رکھنا۔ نماز میں خضوع کے ساتھ ساتھ خشوع بھی مطلوب اور مقصود ہے، ہمارا دل اللہ کی طرف، اس کے انعامات، رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کی طرف مائل رہے، غفلت اور لاپرواہ نہ بنا رہے، نماز میں حضورِ قلب کی کیفیت حاصل ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان نماز میں زبان سے پڑھی جانے والی چیزوں کو دل سے سمجھے اور اس کا استحضار کئے رکھے۔



چالیس احادیث — چالیس کہانیاں

محمد فیصل علی

خدا کی لاٹھی

تاجر فاروق بہت خوش تھا۔اس کی خوشی قابل دید تھی۔اس نے اپنا سارا سامان آسانی سے بیچ دیا تھا اور اب وہ اپنے گاؤں کی طرف لوٹ رہا تھا۔اس کی جیب نقدی سے بھری ہوئی تھی۔

راستے میں ایک جگہ اس نے اپنا گدھا روکا اور اسے ہری بھری گھاس میں کھلا چھوڑ دیا۔گدھا گھاس چرنے لگا۔تاجر فاروق ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔جیسے ہی اس نے درخت سے ٹیک لگائی اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی۔اس کی آنکھیں بوجھل ہوتی چلی گئیں۔

اس نے سوچا جب تک گدھا چرتا ہے،میں نیند کر لیتا ہوں۔چنانچہ اس نے جیب میں موجود نقدی کی تھیلی کو ہاتھ لگا کر اطمینان کیا اور پھر سو گیا۔تاجر نہیں جانتا تھا کہ ایک شریر فطرت آدمی اس کے تعاقب میں تھا۔وہ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا۔

اس کے پاس ایک خطرناک قسم کی زہریلی سوئیاں تھیں۔وہ یہ زہریلی سوئیاں اس تاجر کے جسم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔اس نے ایک خاص قسم کا پائپ نکالا اور اسے اپنے منہ میں رکھ دیا۔

اب اس نے ایک پھونک مارنی تھی جس سے ایک سوئی تیز رفتاری سے اس پائپ سے نکل کر اس تاجر کے جسم میں گھس جاتی اور تاجر کا کام تمام ہو جاتا۔اس سے پہلے کہ وہ پھونک مارتا ،ایک خطرناک سانپ نے اسے ڈس لیا۔وہ تیورا کر گرا۔چند لمحوں میں ہی وہ دم توڑ گیا تھا۔مرنے سے پہلے اس کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث گردش کرنے لگی:

”مَنْ ضَارَّ، ضَارَّ اللّٰہُ بِہٖ۔“

(ترمذی، ابواب البر، رقم:۱۹۴۰)

ترجمہ:”جو دوسروں کو تکلیف دیتا ہے، اللہ اسے تکلیف کے بدلے میں بدلہ دیتا ہے۔“

تاجر فاروق آرام سے سویا ہوا تھا۔گدھا بھی مزے سے گھاس چر رہا تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ کی بے آواز لاٹھی اس بدنصیب شخص پر برس چکی تھی۔

بائیکاٹ

بنتِ صدیقہ

کامل گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی۔

یہ آواز اس کے دونوں بیٹوں کی تھی جو آپس میں بات کر رہے تھے۔

''بھائی! اگر میں کسی مصیبت میں پھنسا تو آپ میری ہیلپ کریں گے ناں؟'' علی نے اپنے بڑے بھائی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیوں نہیں میرے بھائی تم اور میں ایک جسم کی مانند ہیں تمہیں تکلیف پہنچے گی تو مجھے بھی تو درد ہوگا ناں'' محمد نے جواب دیا۔

''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو مجھے یاد رکھو گے؟'' علی برا سا منہ بنا کے کہنے لگا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو میرے بھائی! آپ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔'' محمد نے کہا۔

''تو...... ''اس کے منہ کے اثرات بدلے اور محمد کو تجسس ہونے لگا۔

''ہم پھر اپنے بھائیوں کی ہیلپ کیوں نہیں کر رہے؟'' اس نے ایک اور سوال داغا۔

''مم.... مط... مطلب؟'' محمد نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ ہمارے فلسطینی بھائی تو مشکل میں ہیں جبکہ ہم تو سکون سے اپنی زندگیوں میں گم۔ کیا ہم ایک جسم کی طرح نہیں ہیں؟'' علی نے اداسی سے پوچھا۔

''کیوں نہیں میرے بھائی! ہم ایک جسم کی طرح ہیں لیکن ہم...... کیا کر سکتے ہیں؟'' محمد تو سوچ میں پڑ گیا۔

''بھائی! ہم دعا کرتے ہیں نا اور جب بڑے ہوں گے 15 سال کے تو وہاں جا کے جنگ لڑیں گے'' فوراً علی بولا، پر جوش لہجے والے بچے نے ایک سانس میں کہا۔

''اور بھائی! آپ نے کہا تھا کہ بھائی بھائی کو نہیں بھولتا تو ہمیں بھی انہیں نہیں بھولنا'' معصوم سا منہ بنا کہ علی نے کہا۔

''تمہیں کس نے بتایا یہ سب؟'' اب سوال کی باری محمد کی تھی۔

''بھائی! ہماری ٹیچر نے آج ہمیں حدیث شریف پڑھائی کہ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں'' وہ سانس لینے کیلئے رکا اور پھر بولا۔

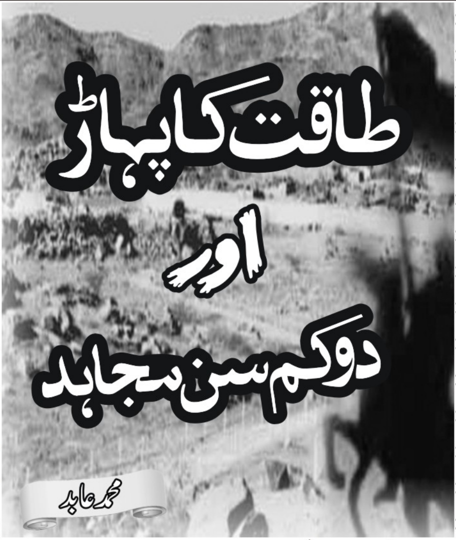
''ٹیچر نے بتایا کہ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے اور ہمیں کیا کرنا ہے'' علی نے بات مکمل کی۔

''مجھے بھی بتاؤ ذرا!'' محمد بولا۔

ہمیں کافروں کی بنی ہر چیز سے بائیکاٹ کرنا ہے۔ نہ ان کی چیز لینی ہے نہ کسی کو لینے دینی ہے اور...... '' علی تو بس تیز تیز بولے جا رہا تھا۔

لیکن باہر کھڑا کامل اپنے آپ کو جھنجھوڑ رہا تھا کہ وہ واقع ہی مسلمان ہے...... وہ تو اس ساری بات (جو ابھی تک فلسطین میں ہوا) اسے ہوا میں ہی اڑا رہا تھا۔

طاقت کا پہاڑ اور دو کم سن مجاہد



محمد عابد

بدر ایک بیضوی شکل کے میدان کا نام ہے جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہ میدان وادی یلیل میں ہے، اس کی لمبائی ساڑھے پانچ میل اور چوڑائی ساڑھے چار میل ہے۔

یہ مدینہ منورہ سے اسّی میل کی دوری پر ہے۔ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجارتی شاہراہ اسی میدان سے ہو کر گزرتی، مکہ اور مدینہ جانے کے راستے بھی اسی مقام پر ملتے۔ بحر احمر کا ساحل یہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس میدان کے شمال اور جنوب میں دو سفیدی مائل پہاڑیاں ہیں، جو ریت سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

بدر کے مقام کو آج جو اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ حق اور باطل کا وہ معرکہ ہے جو ۲ھ میں رمضان کی سترہ تاریخ کو وقوع پذیر ہوا، اس وقوعہ میں حق کو بے مثال تاریخی فتح نصیب ہوئی اور باطل کو شرم ناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس معرکے سے اسلام کی فتح و نصرت کا آغاز ہوا، اسلام پوری آب و تاب سے ظاہر ہونا شروع ہوا۔ اس طرح غزوہ بدر ایک عظیم انقلاب کی بنیاد ثابت ہوا۔ غزوہ کا پس منظر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے حوالے سے طلوعِ اسلام کی تحریک کا اجمالی جائزہ لیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈنکے کی چوٹ پر دین اسلام کی دعوت کا اعلان کیا۔ قدرتی طور پر مکہ میں دو گروہ پیدا ہوئے۔ پہلی جماعت ان لوگوں کی تھی جنہون نے دین اسلام قبول کیا، یہ تعداد میں تھوڑے تھے۔ دوسرا گروپ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے دین اسلام کو ماننے سے انکار کیا، یہ تعداد میں زیادہ تھے۔ یہ دین اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ منکرین اسلام نے مسلمانوں پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کیے۔ ایک طرف صبر و تحمل تھا اور دوسری طرف زور و جبر تھا۔ یہ کشمکش تیرہ سال تک جاری رہی۔ آخر کار مسلمانوں پر سرزمین مکہ تنگ سے تنگ تر ہوتی

چلی گئی، تب وہ آہستہ آہستہ اور خاموشی سے چوری چھپے مدینہ کی جانب ہجرت پر مجبور ہوئے، یہاں تک کہ آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ مکہ کو خیر باد کہا اور مدینے کو آباد کیا۔ مکہ کے قریشیوں نے اب خانماں برباد تارکین وطن کو مدینے میں بھی چین اور سکھ سے رہنے نہیں دیا۔

ہوا یوں کہ ہجرت کے دوسرے سال قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس تجارتی قافلے کے ساتھ پچاس ہزار اشرفیوں کا مال و اسباب تھا۔ مکہ کے ہر فرد نے اور ہر عورت نے اس تجارت میں اپنا سرمایہ لگایا تھا۔ یہ تجارتی قافلہ اس راستے سے لوٹ رہا تھا، جو مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ چونکہ مال و اسباب زیادہ تھا، محافظ کم تھے اور اس وقت جو حالات رونما ہو رہے تھے، اس کے تحت قافلے کے لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ مسلمان کہیں چھاپہ مار کر تجارتی مال و اسباب لوٹ نہ لیں۔

ابوسفیان اس تجارتی قافلے کا سردار اور رہنما تھا جو مدینہ کے پاس سے گزر رہا تھا، اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے قافلے کو بدر کے درّے میں سے گزرنے سے پہلے ایک مقام پر ٹھہرا دیا اور خود تن تنہا بدر کے شہر میں آیا، چونکہ وہ یہاں سے اکثر گزرا کرتا اس لیے وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا اور وہاں کے لوگوں کو بھی جانتا تھا۔ بدر کے شہر میں آ کر وہ سب سے پہلے اس مقام پر پہنچا، جہاں ایک کنواں تھا۔ شہر کا کوئی نہ کوئی فرد ہر وقت وہاں موجود رہتا۔ ابوسفیان وہاں پہنچا۔ وہاں موجود افراد سے معلوم کیا کہ شہر کا سردار اس وقت کہاں ملے گا۔

وہ اس سے جا کر ملا۔ اس نے بتایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے دو اونٹ سوار یہاں سے گزرے، انہوں نے کنویں پر ٹھہر کر پانی پیا، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اور آگے بڑھ گئے۔ ابوسفیان اونٹوں کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا آگے بڑھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اسے اونٹوں کی تازہ لید نظر آئی۔ اس نے لید کا ایک گولا اٹھایا، اسے توڑا اس میں گھاس کی بجائے کھجور کی گٹھلیاں نظر آئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اونٹ بدر کے نہیں بلکہ مدینہ کے ہیں، کیوں کہ مدینے والے اپنے اونٹوں کو گھاس کی بجائے کھجور کی گٹھلیاں کھلاتے ہیں۔ اس نشاندہی پر وہ سمجھ گیا کہ مدینہ کے مسلم ان کے تعاقب میں ہیں، اور انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس نے خطرے کی گھنٹی محسوس کی۔ اور تیزی سے بھاگتا ہوا اپنے قافلے میں جا پہنچا۔ ایک برق رفتار سانڈنی بردار کو اُجرت دی، اسے مکہ کی طرف دوڑایا تا کہ اہل قریش مدد کو پہنچیں۔

سانڈنی سوار کو مکہ کی طرف روانہ کرنے کے بعد قافلے کو بحر احمر کے کنارے کنارے ایک منزل کی بجائے دو منزل طے کرتا ہوا مکہ کی

سمت کوچ کیا اور اپنے قافلے کو مسلمانوں کی دسترس سے صاف نکال لایا۔ یہاں سانڈنی سوار نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم دستور کے مطابق سانڈنی کے کان کاٹے، ناک چیری، کجاوا الٹا، اپنا کرتا آگے سے پھاڑا اور بین کرنے لگا

"اے قریش کے لوگو! اے مکہ کے باسیو!

اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو، تمہارا تجارتی قافلہ مال واسباب جو ابوسفیان کے قیادت میں آرہا ہے مقام بدر پر مسلمانوں کی زد میں ہے۔ وہ کسی بھی وقت اسے لوٹ سکتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس مال و اسباب میں سے تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔"

پورے مکہ میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی، لہٰذا طے ہوا کہ جنگ کا طبل بجایا جائے اور اہل مسلمان کو ایسا سبق سکھایا جائے، جسے وہ زندگی بھر یاد رکھیں۔ لہٰذا ایک ہزار بہادروں کا لشکر تیار کیا گیا، جس کا سپہ سالار عتبہ بن ربیع تھا۔ اس فوج میں چھ سو افراد زرہ پوش تھے۔ سو واروں کا ایک رسالہ تھا۔ یہ اسلحہ بند شتر سوار تھے۔ ہتھیاروں سے لیس گھڑ سواروں کی تعداد دو سو تھی۔ اور ہتھیاروں سے لیس پیادہ فوج کی تعداد سو تھی۔ کھانے پینے کی وافر چیزیں ساتھ لی گئیں۔

امرائے قریش میں سے عتبہ بن ربیع، حارث بن عامر، نصر بن الحارث، ابو جہل، امیہ بن خلف باری باری روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرتے اور اپنے ساتھیوں کی ضیافت کرتے۔ دل بہلانے کا ساز و سامان ہمراہ تھا۔ رات میں عیش و طرب کی محفلیں سجتیں۔ غرض اہل قریش کا یہ لشکر بڑے طمطراق سے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہوا تاکہ تجارتی قافلے کو مسلمانوں سے بچا کر لایا جا سکے، ان سے دو دو ہاتھ بھی ہو جائیں اور انہیں سبق بھی سکھایا جائے۔

فوج کی روانگی کے وقت دشمنان اسلام نے جن میں ابو جہل بھی تھا، کعبے کی دیوار پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگی: "اے رب کعبہ......! دونوں میں سے جو دین تجھے زیادہ پسند ہو، دونوں لشکروں میں سے جو لشکر عالیٰ ہو، دونوں جماعتوں میں سے جو جماعت زیادہ تقوے والی ہو اور دونوں گروہوں میں سے جو گروہ زیادہ معزز ہو، فتح کا سہرا اس کے سر باندھنا۔" اہل قریش یہ دعا مانگتے وقت یہ جان رہے تھے کہ وہ حق پر ہیں اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام (نعوذ باللہ) حق پر نہیں ہیں جبکہ وہ سب کفر اور شرک، فسق و فجور میں مبتلا تھے۔

دشمنان اسلام کا فوجی قافلہ مکہ سے بدر کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی قریش کا لشکر راستہ ہی میں تھا کہ دوسرے قاصد نے آ کر خبر دی کہ ابوسفیان اپنے قافلے کو خطرے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوا اور وہ عنقریب باحفاظت مکہ پہنچ رہا ہے۔ اس خبر سے لشکر قریش میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ اب لڑنے مرنے سے کوئی فائدہ نہیں، مکہ واپس لوٹ چلو۔ مگر دوسرا گروہ

واپس لوٹنا نہیں چاہتا تھا۔اس کی خواہش تھی کہ ہر حال میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ان میں ابو جہل پیش پیش تھا۔اس اختلاف کی وجہ سے بنی زہرہ ،بنی اخنس ،بنی عدی بن کعب ،اور بنی ہاشم کے لوگ واپس لوٹ گئے۔

ابو جہل ،عتبہ ،امیہ بن خلف ،اور ان کے ہم خیال افراد مدینے کے مہاجرین و انصار کا زور توڑنے کے لیے بدر کی جانب بڑھے۔اب ان کی تعداد نو سو پچاس تھی۔

نبی برحق محمد رسول اللہ ﷺ حالات سے ہر وقت باخبر رہتے۔آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ مدینے کے پاس سے گزر رہا ہے۔اور اس قافلے کی مدد کے لیے اہل قریش کی مسلح افواج مدینے کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ یہ مدافعت کا وقت تھا،اپنا دفاع کرنا تھا۔ مدینے کے لوگوں کی جان ،مال و اسباب ،عزت آبرو، کی حفاظت کرنی تھی۔لہذا آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کے سامنے صورتحال رکھی کہ ایک طرف اہل قریش کا تجارتی قافلہ ہے جس کے پاس کروڑہا روپے کا مال و اسباب ہے، جو مدینے کی راستے مکہ کی طرف جا رہا ہے اور دوسری طرف دشمنان اسلام کی فوج جنوبی راستے سے مدینے کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین سے مشورۃً پوچھا کہ اس صورتحال سے ہمیں کس طرح نپٹنا چاہیے......؟

ایک گروہ کی رائے تھی کہ قافلے کے ساتھ کم لوگ ہیں ،مال و اسباب زر کثیر کا ہے ،اس پر ہلّہ بول دیا جائے اور ان کا تجارتی مال و اسباب لوٹا جائے۔دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ دشمنانِ اسلام کی فوج سے ٹکر لی جائے،ان کا زعم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا جائے اور اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ اہل مکہ کے کافروں اور مشرکوں سے جنگ کر کے ان کی طاقت توڑ دی جائے اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی تھی کہ حق کو حق کے ساتھ ثابت کیا جائے اور اور کفر و شرک کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا جائے تاکہ حق کی حقانیت ظاہر ہو اور باطل باطل کے ساتھ ثابت ہو جائے۔لہذا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حتمی فیصلے اور دوسرے گروہ کے خیال کے مطابق اپنا دفاع کرنے کے لیے لگ بھگ تین سو مجاہدین کی فوج ترتیب دی گئی۔ان میں سے صرف دو کے پاس گھوڑے تھے،کل ستر اونٹ تھے جن پر تین سو مجاہدین باری باری سوار ہوتے۔رسولِ اکرم ،نبی محترم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اس فوج کی قیادت فرمائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کے ہمراہ رمضان کی سولہ تاریخ کو مدینہ منورہ سے بدر کی جانب کوچ فرمایا۔ہجرت

کے دوسرے سال کا یہ ایک اہم ترین واقعہ ہے۔
دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے جگہ جگہ پڑاوَ ڈالا جو جنگی نقطہ نظر سے زیادہ اہم تھی، جہاں پانی کے کنوئیں تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حالتِ مجبوری کنووں کے شمال مشرقی سمت میں ایک اونچے ٹیلے پر قیام فرمایا۔ جانبازوں نے وہاں ایک جھونپڑی یا سائبان بنا دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار اعظم وہاں سے میدان جنگ کا مشاہدہ کرسکیں۔ حالات کا جائزہ لے سکیں اور وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرسکیں۔ سائبان کے پیچھے دو برق رفتار سانڈنیاں باندھی گئیں تاکہ خدانخواستہ میدان جنگ کا نقشہ پلٹ گیا تو اور اہل اسلام کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو ایسے نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سوار ہوکر مدینہ منورہ مراجعت کرسکیں۔ سامنے نشیب میں کفاران مکہ، مشرکین قریش اور دشمنانِ اسلام کا پرشکوہ لشکر پڑاوَ ڈالے ہوئے تھا۔ ان کی تعداد، جاہ وحشمت، ساز وسامان دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ پانی پر دشمنوں کا قبضہ ہے، یہ جان کر کہ زمین ریتلی ہے، جس میں پاوَں دھنس دھنس جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ دشمن کے پاس سواریاں ہیں اور اپنے پاس سواریاں ہیں مگر ناکافی، یہ سوچ کر کہ دشمن اسلحہ سے لیس ہے اور یہاں تلوار ہے تو ڈھال نہیں اور ڈھال ہے تو تلوار نہیں۔ ان عوامل کی وجہ سے مجاہدین کے حوصلے پست ہو رہے تھے جو مدینہ منورہ سے نکلتے وقت یہ سوچ رہے تھے کہ انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اب انہیں اپنی شکست اور موت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھائی دے رہی تھی۔ لہٰذا ان کی ڈھارس بندھانا ضروری تھا تاکہ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت وہ ثابت قدم رہیں۔ نڈر اور بے خوف ہوکر دشمن کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت اس طرح تبدیل کی اور ان کی اس طرح اعانت فرمائی کہ اول رات میں بارش ہوئی۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ تمام مجاہدین نہائے دھوئے، جس سے وہ چست، چاق وچوبند ہوئے۔ تھکن اور خوف کی وجہ سے ان پر کسل مندی طاری تھی وہ ڈھل گئی۔

بارش سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ پانی کی قلت دور ہوئی۔ مجاہدین نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر بارش کا پانی جمع کیا تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔ بارش سے تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے پیروں کے نیچے کی ریت جم گئی، جس سے ریت میں پیر دھنسنے کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ بارش سے چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ دشمن نشیبی علاقے میں تھا، اس لیے وہاں کیچڑ ہوگئی، جس سے ان کے سواروں اور سپاہیوں کے پاوَں زمین پر جم نہیں پا رہے تھے۔

بقیہ:



سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

''شہزادے! مجھے جانے دیجئے!'' شجاعت خان مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''میں اس نمک حرام قلعہ دار کو دیکھوں گا، جس نے اہلِ وفا کی پشت میں خنجر اُتارنے کی کوشش کی'' شجاعت خان کی شدید جذباتی کیفیت کی وجہ سے بازی اُلٹ بھی سکتی تھی۔

ٹیپو سلطان نے شجاعت خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ معاملہ بہت نازک تھا۔

''مجھے خود جانا ہو گا'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ٹیپو سلطان کی آواز ابھری۔

''محمد علی! محاذ جنگ پر تم اس وقت تک میری نیابت کرو جب تک میں سرنگا پٹم سے واپس نہ آجاؤں۔''

''میں تو سلطان کے حکم کا پابند ہوں۔'' محمد علی کمیدان کے لہجے میں وہی خلوص اور سچائی تھی جس کے لئے وہ پوری ریاست میں مشہور تھا۔

''میرے لئے تمام محاذ اور سارے موسم یکساں ہیں۔ مجھے لڑنا ہے، اس لئے ہر حال میں لڑوں گا۔ پھر بھی میری گزارش ہے کہ آپ اتنے معمولی سے کام کے لئے سرنگا پٹم تشریف نہ لے جائیں۔ اس بدکار، تولارام کو میرے حوالے کر دیجئے۔ ایک غلام کی سرزنش کے لئے اس قدر طویل سفر طے کرنا آپ کے شایان شان ہے بھی نہیں۔''

"تم اسے ایک معمولی کام سمجھتے ہو؟" ٹیپو نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"سلطان کا اقبال بلند ہو۔" محمد علی کمیدان بھی کسی قدر جذباتی ہوگیا تھا۔

"نواب بہادر کے ناموس کو یرغمال بننے نہیں دوں گا۔"

ٹیپو سلطان ہی نہیں، تمام مرہٹے بھی جانتے تھے کہ محمد علی، میدانِ جنگ میں کیسے کیسے حربے استعمال کرتا ہے اور اس کی بعض جنگی چالوں نے تو دشمن کو سر پیٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خود ٹیپو بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ محمد علی کو سرنگا پٹم روانہ کر دے مگر معاملے کی نزاکت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ آخر میسور کا یہ ذہین ترین سالار، شامیا اور تو رام لال کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے دار الحکومت روانہ ہوا۔ شامیا نسلاً ایک متعصب ہندو تھا مگر اپنے چہرے پر نواب خاندان کی وفاداری کا نقاب ڈالے رہتا تھا۔

حیدر علی نے اسے ہندوؤں کی ایک مختصر سی فوج کا نگراں بنا دیا تھا مگر آج تک یہ فوج کسی معرکے میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

حیدر علی کے مرتے ہی شامیا میسور کی رانیوں کا آلہ کار بن گیا تھا اور پھر اُس نے قلعہ دار، تولارام سے مل کر ایک خوفناک سازش کا منصوبہ ترتیب دیا۔ منصوبہ کچھ اس طرح تھا کہ جب ٹیپو سلطان کسی جنگ کے سلسلے میں سرنگا پٹم سے باہر چلا جائے اور لڑائی طول پکڑ لے تو حرم سرا کی خواتین کو یرغمال بنا کر قلعے پر قبضہ کرلیا جائے۔

پھر اس قبضے کو استحکام دینے کے لئے ہندو راجاؤں سے فوجی امداد حاصل کی جائے۔ شامیا کی یہ فتنہ گری اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ جب قلعہ دار تولارام نے اپنے خدشات کالا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندو راجہ ان کی مدد کو نہ آئے اور ٹیپو سلطان نے قلعے پر حملہ کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟

تولارام کے اس سوال کے جواب میں شامیا کسی شعلے کی طرح بھڑک اُٹھا۔ اگر کوئی ہندو راجہ ہماری مدد کو نہ پہنچا، تب بھی ہمیں بامراد ہونے سے کوئی نہیں روک۔ ہم سلطان کے اہالیان خاندان کو اس طرح یرغمال بنالیں گے کہ ان کی زندگی ہمارے رحم و کرم پر ہوگی۔

بے شک! سلطان کی کثیر فوج دوبارہ قلعے پر قبضہ کرسکتی ہے مگر ٹیپو کو کوئی عورت، کوئی بچہ اور کوئی بوڑھا زندہ نہیں ملے گا۔

مجھے یقین ہے کہ سلطان اپنی لاشوں سے گزر کر قلعے کے اندر داخل نہیں ہوگا۔ بالفرض اگر چلا بھی آیا تو بھی ہماری فتح یہ ہوگی کہ ہم ٹیپو کے خاندان کا نام ونشان مٹا دیں گے اور خود بھی مٹ جائیں گے۔ اس کے بعد دیوتاؤں سے کیا ہوا عہد پورا ہوجائے گا۔"

دراصل واقعہ یہ تھا کہ شامیا نے رانیوں کے کہنے پر سری رنگ ناتھ کے مندر میں بڑے بت

کے قدموں پر سر رکھ کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ سرنگا پٹم کو مسلمانوں کے غلبے سے نجات دلائے گا اور اس عہد کی تکمیل کے لئے شامیا نے یہ خوفناک منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

قلعہ دار، تولا رام بھی مذہبی جذبات کے زیر اثر شامیا کی باتوں میں آ گیا۔ پھر دونوں کے درمیان ساز باز ہونے لگی۔

تولارام اکثر شامیا کے گھر پر رات گئے تک شراب پیتا اور منصوبے کے ایک ایک پہلو پر غور کرتا۔ شامیا کی ایک نوکرانی کامنی نے اتفاق سے ان دونوں کی باتیں سن لیں اور پھر وہ خفیہ طور پر راج محل پہنچی اور اس نے سلطان کی والدہ، فاطمہ بیگم کو اس سازش سے باخبر کر دیا۔

فاطمہ بیگم نے کسی تاخیر کے بغیر ایک برق رفتار قاصد کو سلطان کے پاس روانہ کیا اور ٹیپو نے شامیا کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے اس شخص کو سرنگا پٹم بھیجا جو مرد شجاع بھی تھا اور انتہائی شاطر بھی۔

محمد علی کمیدان کسی امیر وزیر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس لئے میسور کے اکثر بڑے لوگ اس سے ناراض رہتے تھے۔ پھر جیسے ہی محمد علی کمیدان اپنی فوج لے کر دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا بعض فوجی افسروں نے ٹیپو کے کان بھرنے شروع کر دیے۔

''محمد علی کمیدان خود سر بھی ہے اور اقتدار کا بھوکا بھی۔ یہی وجہ ہے کہ نواب بہادر نے اسے ایک بار اس کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔

وہ بہت دنوں سے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ آج سلطان نے بڑی آسانی سے محمد علی کمیدان کو یہ موقع فراہم کر دیا۔ اب دارالحکومت اس کے رحم و کرم پر ہے۔'' ٹیپو کے فوجی افسر، محمد علی کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔

وہ چاہے تو نظام علی خان والی دکن اور مرہٹوں سے مل کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر سکتا ہے۔ اب اسے روکنے والا کوئی نہیں۔

ٹیپو سلطان کے چاروں طرف محمد علی کے خلاف کی جانے والی باتوں کا اس قدر شور تھا کہ سلطنت خداداد کا نوعمر حکمراں کچھ دیر کے لئے گھبرا سا گیا تھا۔

محمد علی کمیدان، ٹیپو کی عسکری طاقت کا سب سے مضبوط ستون تھا اور آج اسی ستون کے بارے میں اس کے فوجی افسر بیک زبان کہہ رہے تھے کہ وہ سب سے زیادہ کمزور اور ناقابل اعتبار ہے۔

''میں نہیں سمجھتا کہ محمد علی آزمائش کے وقت نا معتبر ثابت ہوگا۔'' آخر ٹیپو سلطان نے سخت لہجے میں اپنے فوجی افسروں کو جھٹلاتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ اقتدار نے اس کے دماغ کو پریشان کر دیا ہو اور وہ بغاوت کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا ہو۔''

''سلطان! ابھی آپ کو اپنی بساط کے مہروں کا تجربہ نہیں۔'' فوجی افسر مسلسل ٹیپو کو ورغلا رہے تھے۔

"ابھی بھی وقت ہے سلطان معظم! محمد علی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ اُسے واپس بلا لیتے۔

وہ اس قابل نہیں ہے کہ آپ اسے اپنی زندگی کے سب سے اہم محاذ پر اتنی آزادی کے ساتھ روانہ کر دیں۔"

ٹیپو سلطان اپنے فوجی افسروں کی گفتگو میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ پھر بھی اس نے محمد علی کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے خدا کے بھروسے پر محمد علی کو روانہ کیا ہے۔ ایک فرمانروا کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے جانبازوں پر شک کرے۔ میں محمد علی کے سامنے کیا تاویل پیش کروں گا کہ اسے کیوں واپس بلایا گیا ہے؟"

"آپ کو تاویل پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"
فوجی افسر ہر حال میں محمد علی کی تحقیر پر کمر بستہ تھے۔

"سلطان معظم! خود مختار ہیں اور کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔"

"ایسی گمراہ کن بات مت کہو!" ٹیپو کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔

"میں اپنے اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں اور اس انسان کے سامنے بھی جو حق پر ہو۔ میں کسی ثبوت کے بغیر اپنے کسی خدمت گار سے بھی بدگمانی نہیں کر سکتا۔

محمد علی کمیدان تو میرا دست راست ہے، سلطنت خداداد کی بنیادوں میں اس کی جانثاریاں بھی شامل ہیں۔" محمد علی کے مخالفین کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ شجاعت خان درمیان میں بول اٹھا۔

"محمد علی اس وقت مرہٹوں سے ساز باز کر کے اعلیٰ ترین عہدہ اور سیم وزر کے انبار حاصل کر سکتا تھا، جب ریاست میسور چند دنوں کی مہمان نظر آ رہی تھی۔

پھر بھی اس مرد جانباز نے اپنے آپ کو بے شمار خطرات میں ڈال کر وفا کی آبرو رکھی۔

اگر ہمارے ذہنوں میں غبار بھر جائے اور دل تنگ ہو جائیں تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ سرزمین میسور ہمیشہ محمد علی کمیدان کی احسان مند رہے گی۔"

ٹیپو سلطان نے ستائشی نظروں سے شجاعت خان کی طرف دیکھا، پھر جب اس نے اپنے فوجی افسروں کے تاثرات کا جائزہ لیا تو ان کے چہرے بجھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے شجاعت خان کے لئے سخت ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

محمد علی کمیدان تیز رفتاری کے ساتھ سرنگا پٹم کی طرف بڑھا۔ پھر دارالحکومت کے قریب پہنچ کر اس نے مشہور کر دیا کہ وہ کورگ کے راستے حیدر نگر جا رہا ہے۔

شامیا نے محمد علی کی غیر متوقع آمد کی خبر کو بڑی حیرت کے ساتھ سنا تھا، مگر جب اسے معلوم ہوا کہ محمد علی، حیدر نگر کے محاذ پر جا رہا ہے تو وہ مطمئن ہو گیا۔

محمد علی نے اپنی تمام فوج کو قلعے کے اطراف

میں خفیہ مقامات پر متعین کر دیا۔ پھر اس نے قلعہ دار، تولارام کے نام خط لکھا۔

’’کل مجھے حیدر نگر کے مشکل ترین محاذ پر روانہ ہونا ہے۔ اس لئے ایک رات مجھے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گزارنے کی اجازت دی جائے۔ میدانِ جنگ کی طرف جانے والے سپاہی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ گھر لوٹ کر آئے گا یا اپنے ہی خون میں نہا کر رزق خاک ہو جائے گا۔‘‘

محمد علی کمیدان کا خط بہت پر اثر تھا۔ قلعہ دار، تولارام سالار میسور کی نیت پر ذرہ برابر بھی شک نہ کر سکا اور اس نے خوشی کے ساتھ محمد علی کو قلعے میں ایک رات گزارنے کی اجازت دے دی۔

محمد علی کمیدان نے قلعے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ’’تمہیں جیسے ہی بنگل کی آواز سنائی دے، بلا تاخیر کمندیں لگا کر قلعے کی فصیل پر چڑھ جانا۔ اس کے بعد میرے دوسرے حکم کا انتظار کرنا۔‘‘

سپاہیوں کو خفیہ ہدایات دینے کے بعد محمد علی کمیدان اپنے پچاس منتخب سپاہیوں کے ساتھ قلعے کے دروازے پر پہنچا اور تولارام کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔

تولارام نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ قلعے کا اندرونی دروازہ کھول دیں۔ پھر جیسے ہی دروازہ کھلا، محمد علی کے سپاہیوں نے قلعے کے محافظوں کو تہہ تیغ کر ڈالا اور خود سالار میسور نے پوری طاقت کے ساتھ فوجی بنگل بجانا شروع کر دیا۔ بنگل کی آواز سنتے ہی محمد علی کے سپاہی اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے اور آناً فاناً کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ قلعہ دار، تولارام کو سکتہ ہو گیا۔ پھر اُسے اس وقت ہوش آیا، جب محمد علی کمیدان کے سپاہی اُسے بیڑیاں پہنا رہے تھے۔ قلعے پر قابض ہونے کے بعد محمد علی کے سپاہیوں نے شامیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ شامیا کے بعض محافظوں نے مزاحمت کی تو ان کے کاندھوں سے سروں کا بوجھ کم کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سازش کا سرغنہ بھاری زنجیریں پہنے قلعے کی طرف جا رہا تھا۔

دوسرے دن فاطمہ بیگم کے حکم پر قلعہ دار تولارام اور اس سازش کے دوسرے مجرموں کو سر میدان توپ سے اڑا دیا گیا۔

فاطمہ بیگم، شامیا کو بھی دیگر غداروں کی طرح سزا دینا چاہتی تھی مگر محمد علی کے کہنے پر اُسے حوالہ زنداں کر دیا گیا۔

’’سلطان معظم کی واپسی تک اس کی زندگی بہت ضروری ہے۔ اگر اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تو سازش کے پس پردہ کرداروں کا سراغ کیسے ملے گا؟‘‘ اس کے بعد مرزا اسد بیگ کو قلعہ داری کا منصب دے کر سید محمد خان کو سرنگا پٹم کا گورنر بنا دیا گیا۔

شامیا اپنے انجام سے باخبر ہو چکا تھا، اس لئے رات کے اندھیرے میں اُس نے اپنی شہہ رگ کاٹ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ شامیا کی موت پر میسور کی رانیوں اور کرشن راؤ نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ شامیا کے زندہ رہنے کی صورت میں انہیں خطرہ تھا کہ کہیں وہ تشدد کے خوف سے اپنی زبان نہ کھول دے۔

مگر شامیا ایک انتہا پسند ہندو تھا۔ اس نے سری رنگ ناتھ کے مندر میں دیوتاؤں سے جو عہد کیا تھا، اسے اس طرح پورا کیا کہ ناکامی سے دو چار ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔

"محمد علی کمیدان اُس کی لاش دیکھ کر افسوس کرنے لگا، شامیا ہم سے چال چل گیا۔ ورنہ کچھ اور مجرم بھی بے نقاب ہوتے۔ خیر! خس کم جہاں پاک۔"

☆......☆......☆

غداروں کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد علی کمیدان، چتلد رگ کی طرف بڑھا جہاں ٹیپو سلطان اپنی فوجوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

"محمد علی کے جاتے ہی رانی لکشم ما اور رانی دیواجی منی نے وزیر خزانہ پورنیا کو راج محل میں طلب کر لیا۔

رانی لکشم ما نے ساتوں ہندو لڑکیوں کی تربیت مکمل کر دی تھی اور اب وہ چاہتی تھی کہ پورنیا اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچائے۔

لڑکیوں کو دیکھ کر پورنیا حیرت زدہ ہو گیا۔

"مہارانی! یہ تو آکاش سے اتری ہوئی اپسرائیں معلوم ہوتی ہیں۔"

"اگر آکاش سے اپسرائیں نہیں آئیں گی تو پھر یہ مسلمان سردار اپنی توبہ کس طرح توڑیں گے؟" رانی لکشم ما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

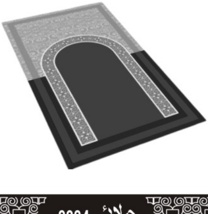
پورنیا کچھ دیر تک ان لڑکیوں سے مختلف سوالات کرتا رہا۔

رانی لکشم ما کی تربیت نے لڑکیوں کو اس قدر مشاق بنا دیا تھا کہ وزیر خزانہ حیران رہ گیا۔

تم اپنا لباس، تمدن اور مذہب بدل کر ہندو دھرم کی اہم ترین خدمت انجام دینے کے لئے بظاہر "نرک" میں جا رہی ہو مگر دیوتا تمہاری قربانیوں سے خوش ہو کر عنقریب تمہیں "سورگ" بخشیں گے۔

پورنیا نے ان سات لڑکیوں میں سے دو لڑکیوں کا انتخاب کیا جو نسبتاً زیادہ خوب صورت تھیں اور پھر انہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات سمجھانے لگا۔

☆......☆......☆



تلاش

خلیل الرحمن

ایک لڑکا جب تیرہ سال کا ہوا تو اس کے باپ نے اسے بلایا اور ایک پتہ ہاتھ میں پکڑا کر بولا کہ جاؤ ادھر ایک بہت دانا آدمی رہتا ہے۔ اس کی حکمت دنیا بھر میں مشہور رہے۔

اس کے پاس جا کر اس سے یہ سیکھو کہ خوشی کیا ہے اور کیسے اسے پایا جا سکتا ہے۔ وہ لڑکا پتے کو سمجھنا شروع ہوا۔ وہ کسی صحرا میں ایک محل کا پتہ تھا۔ لڑکا نکل کھڑا ہوا۔ وہ چالیس دن مسلسل صحرا میں سفر کرتا رہا۔ آخر کار وہ اس پتے پر پہنچ گیا۔

اس نے دیکھا تو سامنے ایک بہت عالی شان، وسیع و عریض محل بنا ہوا تھا۔ وہ محل کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ارد گرد جوق در جوق لوگ جمع تھے۔ اس نے بالکل بھی یہ سب تصور نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اندر مکمل سناٹا ہو گا اور کوئی بوڑھا سا دانا بابا بیٹھا ہو گا جو اسے حکمت کی دو چار باتیں بتا کر چلتا کرے گا۔ ادھر تو ماحول ہی الگ تھا۔

اتنے ڈھیر سارے لوگ اور میزوں پر تھال کے تھال بھرے پڑے تھے۔ اتنے لذیذ اور طرح طرح کے کھانے سجے تھے۔ اتنے میں وہ دانا آدمی آیا اور اس کو مخاطب کیا کہ تم ادھر نئے آئے ہو، کیا چاہیے؟ لڑکے نے ساری کہانی سنا دی کہ میرے باپ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں خوشی کا مفہوم سیکھ کر واپس جاؤں۔

اس آدمی نے اسے بولا کہ دیکھ لو میرے کتنے مہمان آئے ہوئے ہیں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، تم ایک چمچہ ادھر سے اٹھاؤ اور اس میں دو قطرے زیتون کا تیل ڈالو۔ پھر وہ چمچہ اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑو۔ تم نے یہ تیل کسی صورت نیچے نہیں گرنے دینا۔ ساتھ میں میرا محل دیکھو! بہت خوبصورت بنایا ہے میں نے۔

لڑکا گیا، میز پر سے ایک چمچ اٹھایا اور اس میں ایک پیالے سے دو قطرے زیتون کا تیل بھر لیا۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا، اتنی سیڑھیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔ ہر منزل پر ایک زبردست منظر بنا ہوا تھا۔ یہ ادھر ادھر پھرتا رہا اور پھر واپس آ گیا۔ اس آدمی نے اسے دیکھا تو اپنے مہمانوں میں سے اٹھ آیا اور اسے بولا کہ ہاں بھئی اب ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے کیا کیا دیکھا؟

لڑکا بولا کہ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا مجھے سارا وقت ان تیل کے قطروں کی فکر لگی رہی تھی اور میں کچھ بھی نہیں دیکھ پایا۔ میں اوپر گیا، نیچے آیا، کسی ایک چیز کو بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکا۔

اس آدمی نے مسکرا کر لڑکے کو بولا کہ جاؤ ایک دفعہ پھر سے جا کر سارے محل کا دورہ کرو۔ تمہیں پتہ ہے

میں نے کتنے مہنگے اور قیمتی فانوس بچھار کھے ہیں۔اور میں نے کتنے قیمتی فارسی قالینوں سے اپنا گھر سجایا ہوا ہے۔میرا باغ جا کر دیکھو۔ دس سال لگا کر سب سے ماہر باغبان نے اسے اتنا نکھارا اور سنوارا ہے۔

لڑکا ہاتھ میں چمچ پکڑ کر اس میں پھر سے دو قطرے تیل ڈال کر چلا گیا۔اس بار اس نے پورا محل بغور دیکھا اور یہ حیران ہو گیا۔

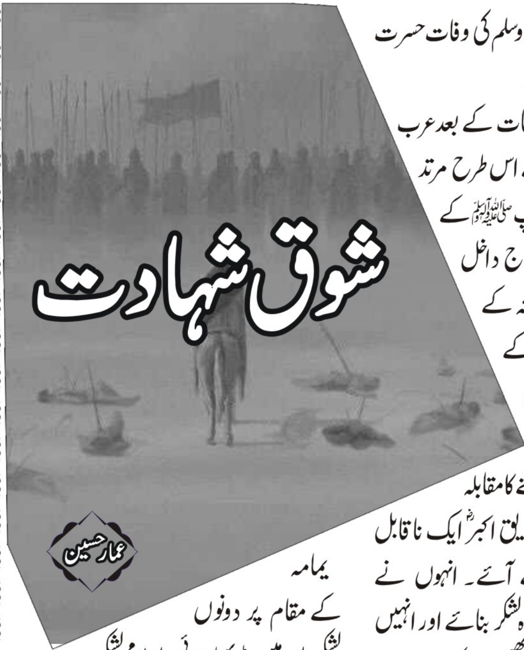
جب واپس لوٹا تو اس دانا آدمی نے اس سے پوچھا کہ اب کی بار کیا دیکھ کر آئے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ کتنی بھانت بھانت کے پھول آپ نے باغ میں اکٹھے کیے ہوئے تھے۔ اتنے خوبصورت قالین، اتنے پیارے فانوس۔میری تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔آپ نے واقعی بہت زبردست محل بنایا ہے۔

دانا آدمی نے پوچھا کہ چمچ کدھر ہے، اس لڑکے نے ہاتھ آگے کر کے دکھایا۔دانا آدمی نے بولا، ذرا دیکھو اس میں اب تیل ہے؟ لڑکے نے دیکھا تو چمچ خالی تھا۔وہ شرمندہ ہوا اور اس نے بولا کہ میں باقی سب کچھ دیکھ رہا تھا کیونکہ آپ نے بولا تھا کہ جا کر سب کچھ دیکھو۔اس حکمت کے بادشاہ نے بولا کہ بیٹے اب میری بات کو غور سے سمجھو کہ خوشی کیا ہے؟ تم جو اتنی دور سے میرے پاس یہ سبق سیکھنے آئے تھے کہ خوشی کا مفہوم کیا ہے؟ یہ ایک گہری بات ہے اور اسے سمجھانے کے لیے ہی میں نے تم سے یہ سب کچھ کروایا ہے۔

خوشی یہ ہے کہ اس چمچ سے ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گرنا چاہیے اور تم اس دوران جتنا کچھ دیکھ سکتے ہو اسے دیکھ بھی لو۔تمہیں دونوں میں توازن برقرار رکھنا ہو گا۔یہی زندگی کا مقصد ہے اور جب انسان اس مقصد کو کافی حد تک پا لیتا ہے تو وہ خوش اور مطمئن رہتا ہے۔اس کہانی میں اصل سبق یہی تھا کہ چمچ میں دو قطرے تیل انسان کا ایمان ہے۔

اس ایمان کو خدا نے ہر انسان میں پرویا ہے۔انسان دراصل سانچے ہیں۔ ہر سانچے میں یہ دو قطرے ایمان کے پروئے گئے جب ساری روحوں کو تخلیق کیا گیا۔پھر رب نے سب کو اس دنیا کے امتحان میں ڈال دیا۔اس دنیا کو خدا نے بہت حسین و جمیل بنایا تا کہ یہ ہماری آنکھیں خیرہ کر دے اور دل موہ لے۔جب اس دنیا نے دل میں زیادہ گھر کر لیا تو ایمان کا بیڑہ غرق ہو جائے گا اور جب بھی ایمان نے دل میں زیادہ گھر کر لیا تو انسان اللہ کو مقرب ہو جائے گا۔

اللہ سے یہ مانگو کہ ایسی ہدایت دے کہ تم دنیا اور آخرت دونوں میں پرسکون زندگی بسر کر سکو۔جو انسان ایمان اور دنیا میں توازن قائم کر لیتا ہے وہ قسمت کا دھنی بن جاتا ہے اور اسے سمجھ آجاتا ہے کہ خوشی کس نعمت کو بولتے ہیں کیونکہ وہ اسے محسوس کر لیتا ہے۔ جیسے اپنے پروردگار کا وجود انسان محسوس کر سکتا ہے اسی طرح خوشی بھی ایک ایسا جذبہ ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ایمان اور دنیا کی رنگینی میں توازن رکھنا پڑتا ہے۔



شوق شہادت

عمار حسین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آچکا تھا۔

نبی کریم ﷺ کے وفات کے بعد عرب کے قبائل دین اسلام سے اس طرح مرتد ہونے لگے جس طرح آپ ﷺ کے عہد مبارک میں فوج در فوج داخل ہوئے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے باشندے اور کچھ قبیلے جن کے دلوں میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھی اسلام پر باقی رہے۔ مرتدین کے فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ ایک ناقابل تسخیر چٹان بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے مہاجرین و انصار کے گیارہ لشکر بنائے اور انہیں عرب کے مختلف علاقوں میں بھیج دیا تاکہ وہ مرتدین کو ہدایت کی راہ پر واپس لائیں۔

ان مرتدین میں سے قوت اور کثرت کے اعتبار سے مسیلمہ کذاب کا گروہ سرفہرست تھا۔

اس نے اپنی جماعت میں تقریبا چالیس ہزار جنگجو اکٹھے کر لیے جن سے نمٹنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمان میں فوج روانہ کی۔ اس میں مہاجرین بھی شامل تھے۔ اس فوج کے ہراول دستے میں حضرت براء بن مالکؓ اور مسلمانوں کے چند بہادر شہسوار بھی تھے۔

یمامہ کے مقام پر دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ اسلامی لشکر کی تعداد کم پا کر مسیلمہ کذاب کی جماعت اترانے لگی ادھر ان کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہونے لگی اور لشکر اسلام اپنی جگہ سے ہٹنے لگا۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر کی ایک جماعت حضرت خالد بن ولید کے خیمہ پر حملہ آور ہوئی اور اسے اکھاڑ پھینکا۔

قریب تھا کہ خالد بن ولیدؓ کی زوجہ مرتدین کے ظلم کا شکار ہوتیں کہ ایک مسلمان مجاہد نے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی۔

اس واقعہ سے مسلمانوں کی غیرت وحمیت جاگ اٹھی۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے انصار مہاجرین اور دیگر قبائل کو جمع کر کے الگ الگ جھنڈے تلے جمع کیا۔جس کے بعد دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔

میدان جنگ میں مسلمہ کذاب کی فوج ذرا بھی غیر متزلزل نہ ہوئی۔مقتولین کی کثرت نے بھی ان کو ذرا بھی خوفزدہ نہیں کیا۔مجاہدین اسلام بھی بہادری کے نادر نمونے پیش کر رہے تھے اور مرتدین کی صفیں کاٹ رہے تھے مجاہدین نے غیر معمولی شجاعت کے جوہر دکھائے لیکن حضرت براء بن مالک کا کارنامہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

جب خالد بن ولید نے دیکھا کہ لڑائی اپنے عروج پر ہے تو انہوں نے اس انصاری نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے نوجوان اپنی قوم کی خبر لو!

سیدنا براء بن مالک اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر پکارے:

اے اہل مدینہ! کوئی تم میں سے دوبارہ مدینہ لوٹ کر جانے کا تصور بھی نہ کرے۔آج کے بعد تمہارے لیے کوئی مدینہ نہیں۔شہادت کا جام پیو اور جنت کی سیر کرو!

پھر سیدنا براء بن مالکؓ طوفان کی طرح اپنی قوم کے ساتھ مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ان کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا اور اپنی تلوار دشمن کی گردنوں میں پیوست کرتے چلے گئے۔توحید و رسالت کے پروانوں کے اس طوفانی حملے سے مسیلمہ کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے وہ بھاگ کر ایک قریبی باغ میں پناہ گزین ہو گئے۔

باغ کشادہ میدان تھا اور اس کی دیواریں کافی بلند تھیں۔مسیلمہ کے لشکر نے باغ کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی دیواروں پر مورچے بنا کر مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کی طرف سے شہسوار اسلام حضرت براء بن مالکؓ نے ایسی دلیری اور جاں فروشی کا مظاہرہ کیا جو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

وہ آگے بڑھے اور فرمایا لوگو مجھے کسی تختے پر بیٹھا دو پھر اسے اپنے نیزوں پر بلند کر کے باغ کے اندر دروازے کے قریب پھینک دو۔یا تو میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں گا یا تمہارے لیے فتح کا دروازہ کھول دوں گا۔

سیدنا براء بن مالکؓ جست لگا کے بڑی ڈھال پر بیٹھ گئے جسے سپاہیوں نے اچھال کر باغ میں پھینک دیا۔وہ ان پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے اور دروازہ کھول دیا۔دروازہ کھلتے ہی مسلمانوں نے زبردست حملہ کر دیا اور باغ کے در و دیوار پر امڈ پڑے۔اس خون ریز جنگ میں مسیلمہ کذاب بھی جہنم رسید ہو گیا۔

سیدنا براء بن مالکؓ کے جسم پر تیروں اور

تلواروں کے 80 سے زائد زخم آئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید خود ایک ماہ تک ان کی مرہم پٹی کرتے اور دیکھ بھال کرتے رہے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت بخشی اور شفایاب ہو گئے۔

حضرت براء ابن مالک ؓ ہمیشہ شہادت کے شوق میں سرگرداں رہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے شوق میں تمام جنگوں میں شرکت کی۔

فارس کی ایک شہر کے فتح کے دن جب ایرانی لشکر ایک مضبوط قلعے میں داخل ہو گیا تو مسلمانوں نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔

ناکہ بندی سے تنگ آ کر انہوں نے قلعے کی دیواروں سے تپتے ہوئے لوہے کی زنجیریں جن کے سروں پر نوکیلے کانٹے لگے ہوئے تھے نیچے پھینکنا شروع کر دیئے۔

جیسے ہی زنجیر نیچے آتی اس کے کانٹے کسی صحابی کے بدن میں گھس جاتے۔ مشرکین اسے واپس کھینچ لیتے۔ جس سے وہ یا تو شہید ہو جاتے یا شدت تکلیف سے موت کے قریب جا پہنچتے۔

ایسی ہی ایک نوک براء ؓ کے بھائی انس بن مالک کو چبھ گئی۔ جیسے ہی سیدنا براء نے یہ دیکھا۔ لپک کر زنجیر پکڑ لی اور اپنے بھائی کے بدن سے کانٹے نکالنے لگے۔ ان کے ہاتھ بری طرح جھلس گئے مگر جب تک انہوں نے بھائی کو آزاد نہیں کروا لیا زنجیر نہیں چھوڑی۔ جب زمین پر واپس آئے تو ہاتھوں کا گوشت جل چکا تھا۔ صرف ہڈیاں باقی تھیں۔

اس جنگ میں بھی براء بن مالک ؓ نے ہمیشہ کی طرح دعا کی۔

”اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما!“

آخر کار ان کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انہوں نے اس جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ سبحان اللہ!

☆......☆......☆

کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

حسد

محمد ابراہیم

”کیوں آخر کیوں؟ میں جب بھی اسے گرانے کی کوشش کرتی ہوں ناکام کیوں ہوتی ہوں ں ں!“

اب کی بار عائشہ چیخ پڑی اس کی آواز سن کر عاتکہ اندر آئیں۔

”کیا ہوا آپی! کیوں اتنا چیخ رہی ہیں“ عاتکہ نے ڈرتے پوچھا۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے اور آپ کون ہوتی ہیں مجھ سے پوچھے والی جاؤ دفع ہو جاؤ کمرے سے“ عائشہ نے غصے سے عاتکہ کو کہا۔

عاتکہ رونی صورت لے کر چلی گئی۔ اس نے جب کمرے کی چیزیں بکھری دیں تو نیچے بیٹھ کر پھوٹ کر رونے لگی۔

”پتہ نہیں سب ٹیچرز اسے کیوں اتنا ناپسند کرتی ہیں“ پھر یہ سوچ کر عائشہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

عائشہ نے جب سکول میں نیا داخلہ کروایا تھا۔ تو پہلے ہی دن سے اسے ماریہ اچھی نہیں لگی۔

ماریہ بہت ہی ذہین اور اچھی لڑکی تھی۔ سب کا کہا مانتی تھی۔ سب کی نظروں میں اچھی تھی۔ عائشہ چاہتی تھی کہ وہ ماریہ کی جگہ مانیٹر بنے سب سے لائق ہو لیکن ایسا نہیں ہوا۔

سکول میں پیپر قریب تھے عائشہ نے بہت سخت محنت کی اس نے دن رات لگایا آخر کار اس نے پیپر دیئے اور رزلٹ کا دن آپہنچا۔

”ساتویں (7) کلاس میں فرسٹ پوزیشن لینے والی بچی کا نام ہے، ماریہ“ جب یہ آواز اس کے کانوں پر پڑی تو گویا اس کے سر پر بم گرا ہو۔ وہ دوسری پوزیشن لے چکی تھی۔ مس کے تین بار بلانے کے بعد وہ گئی۔



گھر آ کر وہ زار و قطار سے روئی۔ سب اس کی پوزیشن پر بہت خوش تھے لیکن ایک وہ تھی جو اداس۔

”کیا ہوا عائشہ! اتنی اداس کیوں ہو؟“

”کچھ نہیں امی! بس ایسے ہی“

اس نے ٹالنا چاہا لیکن ماں کے بار بار اصرار پر اس نے سچ بتا دیا۔

”بیٹا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کیسی تھی؟“

می نے ساری بات سن کر کہا۔

”امی! بھلا یہ بھی کوئی پوچھنی والی بات ہے آپ کو پتہ ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہت ہی عظیم تھی اور ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔“

”اچھا یہ بتائیں کہ ہمیں کس انسان کو دیکھ کر ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے؟“

”ظاہر ہے امی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو“

تو آپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر کتنا چلتی ہیں؟ ان کی سنتوں کو کتنا اپناتی ہیں؟“

اب کی بار عائشہ خاموش رہی۔

”دیکھو بیٹی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو کبھی کسی پر غصہ کرتے تھے اوو رنہ ہی کسی سے حسد کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ رحمدل، اور اچھے اخلاق والے تھے۔

”لیکن امی میں سب سے زیادہ لائق بننا چاہتی ہوں“ عائشہ نے معصومیت سے کہا؟

”جی بیٹا! بنیں ضرور بنیں لیکن حسد کر کے نہیں بلکہ محنت کر کے اور بیٹا! اس دن مجھے عاتکہ نے ساری بات بتائی، غصہ کرنا بھی اچھا نہیں، غصہ انسان کے عقل کو چہرے کے نور کو دیمک کی طرح کھاتا ہے۔“

”امی! مجھے معاف کر دیں! میں نے آپ کا بلکہ سب کا دل دکھایا۔

امی! مجھے معاف کر دیں! آپ میری اتنی اچھی امی ہے کہ دنیا میں کسی کی امی ایسی نہیں ہو گی“

”چل مکھن مت لگا! کر دیا معاف! تو بھی کیا یاد کرے گی لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا پھر عائشہ نے جا کر ماریہ سے معافی مانگی۔

8 کلاس میں حب رزلٹ آیا تو وہ فرسٹ پوزیشن لے چکی تھی۔

☆......☆......☆

نیکیوں کو ختم کرنے والا عمل

حُضورِ پاک صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

محمد ابوبکر صدیق

مسجد شب بھر

بنت نصر اللہ



بچوں کو اسکول کی چھٹیاں تھیں، تو بچے چاہتے تھے کہ کسی تاریخی جگہ کا دورہ کیا جائے، اب یہ بحث جاری تھی کہ کہاں جایا جائے۔

دادا جان کو پتا چلا، تو انہوں نے تمام بچوں کو بلایا اور لاہور کی ایک مسجد کے بارے میں معلومات دیں، اور اس جگہ جانے کا مشورہ دیا۔

دادا جان نے کہا!

پیارے بچو!

لاہور کے ”شاہ عالم چوک“ میں ایک ایسی مسجد واقع ہے جسے مسلمانوں نے ایک رات میں تعمیر کیا۔

بچو! اس مسجد کی اتنے قلیل وقت میں تعمیر کی وجہ اور واقعہ بھی انتہائی دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انگریزوں کے دور میں اس مقام سے ایک مسافر کا گزر ہوا، اور اس نے یہاں نماز ادا کی جبکہ یہ علاقہ اس وقت ہندوؤں کی اکثریت کا حامل تھا۔ ہندوؤں کو یہ برداشت نہ ہوا اور انہوں نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔

معاملہ عدالت تک جا پہنچا اور وہاں ہندوؤں کا موقف تھا کہ اس جگہ پر مندر تعمیر ہو گا۔ جبکہ مسلمان یہاں مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کے وکیل نے انہیں تجویز دی کہ اگر وہ یہاں صبح فجر سے پہلے مسجد تعمیر کر لیتے ہیں، تو کیس کا فیصلہ ان کے حق میں ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی جانب سے اس کیس کی پیروی محمد علی جناح کر رہے تھے۔

یہ سننا تھا کہ مسلمانوں نے ”گاماں پہلواں“ کی قیادت میں راتوں رات مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ

کیا اور جس مسلمان کے پاس جو سامان تھا اس نے مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ خواتین رات بھر اپنے سروں پر پانی رکھ کر لاتی رہیں تا کہ مسجد کی تعمیر ممکن ہو سکے۔

دوسری جانب مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد عدالت نے بھی مسلمانوں کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

یہ مسجد 1917 میں تعمیر کی گئی اور اس کا نام ”مسجد شب بھر“ رکھا گیا۔ یہ مسجد 3 مرلے کے رقبے پر تعمیر ہے۔

علامہ اقبال کو جب تیسرے روز اس مسجد کی تعمیر کا پتہ چلا تو آپ یہاں تشریف لائے اور بہت خوش ہوئے اور یہی وہ موقع تھا جب انہوں نے یہ مشہور شعر کہا:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں سے نمازی بن نہ سکا

پیارے بچو!

یہ مسجد اپنے ساتھ جڑی کہانی کے باعث عوام میں بے حد مقبول ہے۔ لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ویسے مسجد ہے مختصر لیکن تعمیراتی لحاظ سے حسن و خوبی سے خالی نہیں۔

مہتمم عمارت نے سرخ و سفید پتھر استعمال کر کے مسجد کو قابل توجہ بنا دیا۔ جب مسجد تعمیر ہونا تھی۔ تب بھی یہاں دکانیں تھیں۔ ان کو شاید مسجد کے مستقل بندوبست و انتظام کے لیے قائم رکھا گیا۔

”تو بچو! اب کیا خیال ہے؟ جاؤ گے اس مسجد کو دیکھنے؟“ دادا جان نے پوچھا۔

تمام بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

”جی ہاں دادا جان! ہم اس مسجد کو دیکھنے ضرور جائیں گے۔“

☆......☆......☆

دعا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں پکا سچا نمازی بنائے، اور مساجد کو آباد کرنے والا بنائے۔ آمین

☆......☆......☆

نیکی کی دعوت

جو شخص کسی کو نیکی کا کوئی کام بتائے اسے نیکی کرنے والے جتنا اجر مل جاتا ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ (جو کتاب و سنت سے ثابت ہو) جاری کرے اس کے لئے اس کا اجر ہے اور ان سب لوگوں کا اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔ [مسلم]

محمد حنظلہ

میرا بکرا

عیدالاضحیٰ جیسے جیسے قریب آ رہی تھی، قربانی کا جانور خریدنے والوں کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

زین کے سب دوستوں نے اپنا اپنا قربانی کا جانور خرید لیا تھا۔ احمد کے ابو اونٹ لائے تھے، زاہد اور فرحان کے دادا ان کے گاؤں سے بچھڑا خرید کر لائے تھے۔ علی کی امی نے میمنا خریدا تھا۔ گو زین کے تمام دوستوں کے گھر والے اپنا اپنا قربانی کا جانور لے آئے تھے۔

سکول آتے ہی سب بچے ایک دوسرے کو اپنے اپنے جانور کے بارے میں بتاتے کہ وہ کیسے اس کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔

زین کا بھی دل کرتا کہ اس کے ابو بھی قربانی کا جانور لے آئیں۔ وہ بھی اپنے جانور کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

اپنے دوستوں کی باتیں سن کر اسے تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے وہ اداس ہو جاتا۔

سکول سے گھر آیا تو زین کی امی نے اسے پریشان دیکھ کر پریشانی کی وجہ دریافت کی تو زین نے بتایا کہ اس کے سب دوستوں کے پاس قربانی کا جانور ہے جسے وہ چراتے ہیں، پانی پلاتے ہیں اور اس کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

’’ہمارا جانور کب آئے گا؟‘‘ زین کے اس سوال پر اس کی امی پریشان ہو گئیں کیونکہ زین کے ابو ایک مالی مسئلے میں گھرے ہوئے تھے اور اسی لیے اس سال قربانی کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا مگر زین کی امی اسے کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔



رات کو زین کے ابو آئے تو زین کی امی نے انہیں زین کے سوال کے بارے میں بتایا۔ زین کے ابو بھی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے زین کی امی سے کہا کہ اسے سمجھاؤ بجھاؤ کہ ابھی عید میں پندرہ دن باقی ہیں ہمارا جانور بھی آجائے گا۔

زین کی امی نے کہا کہ یہ تو جھوٹ ہو گا مگر ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن وہ اس بات سے انجان تھے کہ زین نے ان کی باتیں سن لی تھی۔

وہ سارا دن سکول میں پریشان رہا اور سوچتا رہا کہ اس کے ابو کو کیا مالی مشکل ہے؟ وہ ان کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ سکول سے گھر آیا تو اس کی امی نے اسے کہا کہ بیٹا ابھی عید میں کافی دن ہیں ہم بھی جلد ہی جانور لے لیں گے۔

زین نے چونکہ ان کی باتیں سن لی تھیں فوراً بولا کہ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کیونکہ ابو کو کوئی مالی مسئلہ ہے۔ اس کی امی اس کے منہ سے یہ سن کر حیران ہو گئی تو زین نے بتایا کہ پانی پی کر آتے ہوئے اس نے رات کو ساری بات سنی تھی۔

زین نے امی سے پوچھا کہ کیا کوئی طریقہ نہیں جس سے ابو کی مشکل آسان ہو جائے؟ امی نے کہا کہ ایک ہی طریقہ ہے میرے بچے کہ تم اللہ سے دعا کرو۔ زین خوش ہو گیا اور عصر کی نماز ادا کرنے چلا گیا۔

نماز کے بعد زین نے رو رو کر اللہ سے دعا کی کہ اس کے ابو کی مشکل آسان فرما دیں تا کہ وہ قربانی کر سکیں۔ نماز کے بعد وہ کافی مطمئن تھا۔ اب وہ ہر نماز کے بعد پوری دلجمعی سے دعا کرنے لگا۔ ایسے ہی پانچ دن گزر گئے۔

آج جمعے کا دن تھا۔ زین جونہی جمعہ پڑھ کر گھر آیا تو اس کی امی نے خوشخبری سنائی کہ اس کے ابو کی مشکل ختم ہو گئی ہے۔ اب انہیں کوئی مالی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ خوش تھا کہ اب وہ بھی قربانی کریں گے۔

دو دن بعد زین اپنے ابو کے ساتھ منڈی گیا اور ایک خوبصورت سا سیاہ اور سفید بکرا گھر لے آیا۔ زین کو بکرا دیکھتے ہی پسند آ گیا تھا۔ وہ اس کے لیے مالا لے کر آیا اور اسے پہنا کر بہت خوش ہوا۔

اب زین کا سارا دن بکرے کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ بکرے کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اسے چارہ دیتا، پانی دیتا۔ بکرے کی جگہ کی صفائی کرتا اور پھر اپنے کزن داؤد کے ساتھ اسے گھمانے باہر لے جاتا۔ صبح اٹھتے ہی پہلا کام بکرے کو دیکھنا ہوتا تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔ سکول سے آ کر بھی سب سے پہلے وہ بکرے کا جائزہ لیتا تھا۔

بکرے کی آواز سنے بغیر اسے نیند نہ آتی تھی۔ اسی طرح دن گزرتے جا رہے تھے اور عید کا دن آ گیا۔

☆......☆......☆

آج عید کا دن تھا۔ عید کی نماز کے بعد گھر آ کر زین بکرے کے پاس چلا گیا اور رو رو کر اسے

پیار کرنے لگا۔ بکرے سے بچھڑنے کا وقت آ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ابو آئے اور بکرے کو قربانی کے لیے لے گئے۔ زین نے روتے ہوئے بکرے کو خود سے الگ کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بکرا اس سے دور جائے مگر یہی تو ہے قربانی کا اصل مطلب۔ اپنی سب سے خوبصورت چیز کو خدا کی راہ میں قربان کر دینا۔

بکرے کو ذبح ہوتا ہوا زین سے دیکھا نہ گیا تھا۔ وہ بہت رویا اور خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ زین کی یہ حالت اس کے امی ابو سے دیکھی نہ گئی۔ قربانی کے بعد وہ دونوں زین کے پاس آئے اور اسے پیار کرنے لگے۔

''بیٹا! آپ کو پتا ہے کہ قربانی پر روتے نہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں۔'' امی نے زین کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

''میرے پیارے بیٹے! قربانی کا اصل مطلب ہی یہی ہے کہ اپنی سب سے محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینا۔ وہ بکرا آپ کو بہت پیارا تھا نا تو اسی لیے ہم نے اسے اللہ کو سونپ دیا۔'' بابا نے پیار سے کہا۔

''مگر بابا! وہ تو مر گیا ہے۔''

''نہیں میرے بچے۔ ہمارے بکرے نے اپنی قربانی دی ہے اور ہم جنت میں اس سے لازمی ملیں گے۔ آپ کو پتا ہے ہمارا یہ بکرا پل صراط پر ہماری سواری بنے گا۔'' امی نے زین کا سر اپنی گود میں لے کر کہا۔

امی کی یہ بات سن کر زین حیران رہ گیا اور پل صراط کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''بیٹا! ہم جتنی بھی قربانیاں کرتے ہیں سب کا اجر اور ثواب ملتا ہے ہمیں۔ قربانی کر کے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے اس کے حکم کے آگے اپنی ہر چیز قربان کر سکتے ہیں اور اسی لیے اللہ قیامت کے دن ہماری انہی قربانیوں کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے گا۔''

امی کی بات زین کو کافی متاثر کن لگی تھی۔ ابھی وہ اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ ابو گویا ہوئے:

''بیٹا! ہم یہ قربانی حضرت ابرہیم علیہ السلام کی یاد میں مناتے ہیں۔ وہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ جن کو اللہ نے ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کرنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور فوراً اپنے بیٹے کو قربان کرنے چل پڑے۔ مگر اللہ نے اپنے بندے کا امتحان لینا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

قربانی کے دوران اللہ نے فرشتے کی مدد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ بھیج دیا اور یوں دنبے کی قربانی ہو گئی۔ ہم بھی قربانی اسی یاد میں کرتے ہیں۔ جیسے اللہ نے ان کی قربانی قبول کی تھی۔ ہم اللہ سے دعا کریں گے وہ ہماری قربانی بھی قبول فرمائے۔''

''آمین'' زین نے جواب دیا اور مسکرا دیا۔



سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سیدہ فاطمہ طارق

نام ونسب، کنیت اور لقب

آپ کا نام ونسب یہ ہے:

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن غالب القرشی العدوی۔

آپ کی کنیت ابو حفص ہے۔ آپ کا لقب فاروق ہے۔ اس لیے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں جب اسلام ظاہر کیا تو اس کے ذریعے سے اللہ نے کفر اور ایمان کے درمیان کھلی جدائی کردی۔

پیدائش اور جسمانی اوصاف

عمر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے تیرہ (۱۳) سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کے جسمانی اوصاف یہ تھے کہ آپ خوب گورے چٹے، سرخی مائل رنگ کے تھے۔ دونوں رخسار، ناک اور دونوں آنکھیں نہایت خوبصورت تھیں۔ دونوں پاؤں اور ہتھیلیاں موٹی تھیں، گوشت سے بھرے ہوئے اعضاء، دراز قامت اور مضبوط جسم کے مالک تھے، سر کے آگے کے بال گرے ہوئے تھے۔

قد وقامت کے اتنے لمبے گویا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوں، سخت طاقتور تھے، کمزور اور بزدل نہ تھے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے، مونچھیں دونوں طرف بڑھی رہتی تھیں، جب چلتے تو تیز چلتے اور جب بولتے تو تیز آواز سے بولتے اور مارتے تو کاری ضرب لگاتے۔

خاندان

آپ کے والد خطاب بن نفیل ہیں۔ آپ کے دادا نفیل بن عبد العزی ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس قریش کے لوگ فیصلہ لے کر آتے تھے۔

آپ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ابو جہل کی بہن تھیں۔

آپ کی کل تیرہ اولادیں ہوئیں:

زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبداللہ، عبدالرحمن اکبر، عبدالرحمن اوسط، عبد الرحمن اصغر، عبید اللہ، عیاض، حفصہ، رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنھم۔

زمانہ جاہلیت کی زندگی

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا لمبا عرصہ زمانہ جاہلیت میں گزارا آپ اس اعتبار سے ان سے ممتاز تھے کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے پڑھنا سیکھ لیا تھا اور ایسے لوگ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔

آپ نے بچپن ہی سے ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا، اور سختی و تنگی کے ماحول میں جوان ہوئے، ایسی سختی کہ عیش و عشرت اور مالداری کی علامت کو جانا ہی نہیں۔

آپ کے باپ خطاب سختی سے آپ کو چراگاہ کی طرف اونٹ چرانے کے لیے بھیجتے تھے۔ باپ کی اس سختی نے آپ کی ذات پر برا اثر چھوڑا۔

بلاشبہ اسلام لانے سے پہلے مکہ کی زندگی میں عمر رضی اللہ عنہ کے اس پیشے (گلہ بانی) سے جڑے رہنے نے ان کو قوت تحمل و برداشت، بہادری اور سخت گیری جیسی صفات کا مالک بنا دیا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کی پوری زندگی ایسی نہ تھی کہ صرف بکریاں چرانے میں گزری ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ تجارت میں مشغول ہوئے اور اس سے بھی خوب فائدہ اٹھایا، اسی تجارت نے ان کو مکہ کے مالداروں میں شامل کر دیا اور جاہلیت کی مکی زندگی میں اپنا نمایاں مقام بنا لیا۔ عرب کے لوگ اپنے جھگڑوں کو ختم کرانے کے لیے آپ ہی کے پاس آتے تھے۔

آپ صاحب حکمت و دانش، بلیغ، عمدہ رائے والے، طاقتور، بردبار، شریف، دلیل میں پختہ اور گفتگو میں واضح الکلام تھے۔ آپ دل کے ایسے مخلص تھے کہ جس بات پر یقین کر لیتے اس کی طرف سے دفاع کرنے میں جان کھپا دیتے۔ یقین کی بنیاد پر دفاع کرنے والی اسی طبیعت و مزاج کی سختی کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی دعوت کے بالکل ابتدائی مرحلے میں اس کی جم کر مخالفت کی، لیکن جب اسلام قبول کیا، تو اس کی خوبی و حقیقت کو پہچان لیا، ہدایت و گمراہی، ایمان و کفر اور حق و باطل کے درمیان حقیقی فرق سے واقف ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے عزم و یقین کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور احساس کیا کہ ان کا سینہ تنگ ہے۔ اس نئے دین کے ماننے والے اتنی زبردست مشکلات و مصائب کا سامنا کررہے ہیں پھر بھی وہ اس پر جمے ہوئے ہیں۔ آخر اس ناقابل تسخیر قوت کا راز کیا ہے؟ آپ غمگین ہوئے اور دل کو ایک چرکا لگا۔ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے آپ اسلام لے آئے، دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ کے قبول اسلام کا بنیادی سبب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی:

"اے اللہ! ابو جہل بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو غالب کردے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ کے نزدیک ان دونوں میں سے عمر زیادہ پسندیدہ تھے۔"

قریش کے لوگ اکھٹے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشورہ کیا، انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کون قتل کرے گا؟ عمر بن خطاب نے کہا: میں یہ کام کروں گا۔ وہ سخت گرمی کے دن میں، ٹھیک دوپہر کے وقت گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کچھ ساتھیوں کو قتل کرنے کے لیے نکلے، قریش نے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی صفا پہاڑی کے نیچے دار ارقم میں جمع ہیں۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ النخام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، تو انہوں نے کہا: اے عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے کہا: میں اس صابی (بدمذہب) کے پاس جارہا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کردیا ہے، تاکہ اسے قتل کردوں۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم کتنے غلط راستے پر چل رہے ہو، تمہارا کیا خیال ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردو گے اور عبد مناف تم کو زمین پر آزاد چھوڑ دیں گے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ تو بھی صابی (بدمذہب) ہوگیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو تجھ ہی سے شروع کروں گا۔ جب نعیم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ باز آنے والے نہیں تو کہا: میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ تمہارے خاندان اور تمہارے بہنوئی کے گھر والے بھی مسلمان ہوچکے ہیں اور جس گمراہی پر تم ہو اس کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو پوچھا کہ وہ کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا: تمہارے بہنوئی و چچیرے بھائی اور تمہاری بہن۔ عمر بن خطاب نے جب سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لے آئے ہیں تو آپ کو سخت غصہ آیا اور ان کے پاس پہنچے۔

جب گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے پوچھا: کون؟ آپ نے کہا: ابن خطاب۔ وہ لوگ اپنے

ہاتھوں میں لیے قرآن پڑھ رہے تھے۔ جب عمر کے آنے کا احساس ہوا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کو اسی حالت میں بھول کر چھپنے لگے۔ جب آپ داخل ہوئے اور آپ کی بہن نے آپ کو دیکھا تو چہرہ سے غصے کو بھانپ لیا، آپ نے کہا: ابھی مبہم اور پست آواز جو میں نے تمہارے پاس سنی یہ کون سی بات تھی۔ درحقیقت وہ لوگ سورہ" طہٰ" کی تلاوت کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا: ہماری آپس کی بات کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے کہا: شاید کہ تم دونوں صابی (بدمذہب) ہو گئے ہو۔ ان کے بہنوئی نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے اگر حق تمہارے دین کے علاوہ دوسری جگہ ہو؟

اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے اور ان کی داڑھی کو پکڑ لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ سخت طاقتور تھے۔ آپ نے سعید رضی اللہ عنہ کو زمین پر پٹخ دیا اور خوب روندا، پھر ان کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ کی بہن آ گئیں اور آپ کو اپنے شوہر سے دور کرنے لگیں۔ آپ نے ان کو تھپڑ رسید کیا جس سے ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ بہن نے غصہ کی حالت میں کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو مجھے اس لیے مار رہا ہے کہ میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہوں؟ آپ نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جو تجھے کرنا ہے کر لے۔

"اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله"

تیری مرضی کے خلاف ہم اسلام لا چکے ہیں۔

جب عمر نے ان سے یہ باتیں سنیں تو شرمندہ ہوئے اور بیٹھ گئے، پھر کہا: تمہارے پاس جو صحیفہ ہے مجھے دو، میں اسے پڑھوں گا۔ آپ کی بہن نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گی۔ آپ نے کہا: تمہاری بربادی ہو! تمہاری بات نے میرے دل کو متاثر کیا ہے۔ مجھے صحیفہ دو، میں اسے دیکھ تو لوں، میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ اس میں خیانت نہیں کروں گا۔

انہوں نے کہا: تم ناپاک ہو (اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں) جاؤ غسل کر لو یا وضو کر لو۔ آپ غسل کرنے گئے، پھر اپنی بہن کے پاس لوٹ کر آئے۔ انہوں نے آپ کو صحیفہ دیا۔ جس میں" طہٰ" اور دوسری سورتیں تھیں۔ آپ نے اس میں دیکھا۔ جب بسم اللہ الرحمن الرحیم پر پہنچے تو کانپ اٹھے، صحیفہ ہاتھ سے گر گیا، پھر خود کو سنبھالا اور سورہ طہٰ کی تلاوت شروع کی۔ یہ آیتیں آپ کے دل پر بہت اثر انداز ہوئیں۔ آپ نے کہا: کیا قریش اسی سے بھاگتے ہیں؟

پھر جب اللہ کے اس فرمان تک پہنچے "فلا يصدنك عنها من لا يومن بها واتبع هوه فتردى" تو آپ نے کہا: جو ایسی بات کہہ رہا ہو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے۔ مجھے بتاؤ محمد کہاں

ہیں؟ جب خباب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سنا تو گھر سے نکلے۔ وہ چھپے ہوئے تھے۔ اور کہا:

اے عمر! خوش ہو جاؤ، آپ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے نیچے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سنبھالی، گردن میں لٹکالی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی طرف چل نکلے۔ وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، صحابہ نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں تو خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

عمر بن خطاب ہیں، دروازہ کھول دو۔ اگر اللہ نے اس کے لیے بھلائی چاہی تو وہ اسلام لے آئے گا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے آدمی نے عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا، یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور کہا:

اے خطاب کے بیٹے! تمہارا کیسے آنا ہوا؟

عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اللہ، اس کے رسول، اور اللہ کی طرف سے آپ جو لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانے آیا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا، اور صحابہ نے جان لیا کہ عمر اسلام لے آئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلامی دعوت پر اثر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مکمل خلوص وللہیت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے اور پوری طاقت کے ساتھ اسلام کے استحکام کے لیے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کو قوت بخشی، آپ بہت نڈر آدمی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ایک فتح اور آپ کی ہجرت ایک مدد اور خلافت ایک رحمت تھی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا عزم کیا تو علی الاعلان ہجرت کا عزم کیا، تلوار کو گردن میں لٹکایا اور ترکش کو کندھے پر رکھا، ہاتھ میں تیر پکڑے اور لاٹھی لیکر نکل پڑے اور کہا:

''چہرے برباد ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کی عزت کو خاک میں ملا دے گا۔ جس کی یہ خواہش ہو کہ اس کی ماں اسے گم پائے اس کی اولاد اس پر ماتم کرے یا اس کی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے ملاقات کرے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان ساتھیوں کی بھرپور مدد کی جو ہجرت کرنا چاہتے تھے۔

قرآن کریم کی موافقت:

عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نامانوس عمل کو صادر ہوتا دیکھتے تو پوچھ لیتے، مکمل صداقت اور صاف گوئی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے۔

بقیہ:

بقیہ: طاقت کا پہاڑ

بارش سے پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین رات میں بے خوف ہو کر سو گئے ،اور صبح جب نیند سے بیدار ہوئے تب ان کے قلوب پر سکون طاری تھا۔ بارش نے انہیں قلب کا اطمنان بخشا۔اس کیفیت کی وجہ سے ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف جاتا رہا۔

اس طرح یہ بارش مسلمانوں اور مومنوں کے لیے باعث رحمت اور کافروں کے لیے باعث زحمت ثابت ہوئی۔غزوہ بدر میں اہل ایمان کی فتح کا ایک اہم ترین سبب یہ بارش تھی جس نے ان کے دلوں کے وسوسوں کو دھوڈالا،اس سے ان کی ہمتیں بندھیں اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے۔

اگر بدر میں بارش نہ ہوتی تو کیا ہوتا......؟ تمام کرہ ارض کی ہدایت اور سعادت کا نقشہ الٹ جاتا......! جس کا اشارہ نبی خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ اللہ......! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو اس کرہ ارض پر تیرا سچا اطاعت گزار کوئی نہیں رہے گا۔

دراصل بدر میں جس رات بارش ہوئی اس سے پہلے سائباں میں اللہ کے رسول محمد ﷺ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر، دین اسلام جو دین حق ہے، کی بقاء کے لیے عجز وانکساری کے ساتھ گڑ گڑا کر، رو رو کر دعا مانگ رہے تھے، بہ وقت دعا محویت اور بے خودی کا یہ عالم تھا کہ کاندھوں پر سے چادر مبارک گر گر پڑتی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی۔آپ ﷺ کی اس دلی بے قراری پر یارِ غارِ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ......! اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ وفا کرکے رہے گا، آپ خاطر جمع رکھیں۔اپنے بے قرار دل کو قرار دیں......!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے تھے:

”اے اللہ......! یہ قریش، یہ باطلانِ حق کیل کانٹوں سے لیس ہو کر غرور ونخوت کے ساتھ یہاں آئے ہیں تاکہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کریں۔اے اللہ......! تیری نام لیوا مٹھی بھر جماعت اگر آج ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیرا اطاعت گزار اور عبادت گزار کوئی نہ ہوگا......!“

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اس طرح شرفِ قبولیت عطاء فرمایا کہ اس کے جواب میں بارش ہوئی جس نے فتح کو شکست میں اور شکست کو فتح میں تبدیل کیا۔اس کے علاوہ ایک ہزار ملکوتی طاقتیں بھیجنے کی بشارت دے کر مہاجرین اور انصار کی مٹھی بھر جماعت کی مدد کی۔

سورہ انفال کی آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے،اس کا اردو مفہوم یہ ہے کہ

”میدان جنگ میں اگر بیس مجاہدین ثابت

قدم ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آسکتے ہیں۔“

یعنی ایک مردمجاہد تنہا بیس کافروں سے نبرد آزما ہوسکتا ہے۔ غور کیجئے، معلوم ہوگا کہ ثابت قدمی کا انحصار حوصلے پر ہے، حوصلے کا دارومدار طاقت پر ہے اور قوت ایمانی وہ ملکوتی طاقت ہے جو جسم میں بجلی بھر دیتی ہے، حوصلہ بڑھاتی ہے، ہمت بندھاتی ہے، جس میدان جنگ میں مردمجاہد دشمن کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ اس طرح ایک ایک مجاہد بیس بیس کافروں پر بھاری ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے ہیں فوج سے مخاطب ہوتے ہیں کہ تم اس وقت ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کے ذمہ دار ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطاب سے ان کے دلوں میں ولولہ انگیز جذبہ پیدا ہوا کہ ہم ہی وہ واحد جماعت ہیں جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ باقی سب اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ اس جوش اور ولولہ کے باعث ایک ایک آدمی کو ہزار ہزار آدمی کی قوت حاصل ہوتی ہے اور جان پر کھیلنے کو آمادہ ہوجاتا ہے۔

اس کی مثال غزوہ بدر کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔ ایک طرف طاقت اور قوت کا پہاڑ ابو جہل تھا، جس نے اپنے آپ کو زرّہ بکتر میں چھپا رکھا تھا۔ اس کی صرف دو آنکھیں نظر آتی تھیں۔ دوسری طرف عفرا کے دو کم عمر بیٹے معوذ اور معاذ تھے، جنہوں نے ابھی زندگی کی بہاریں نہیں دیکھی تھیں، جن کی مسیں ابھی بھیگی نہیں تھی۔ ابو جہل کے سامنے ان کی حیثیت بالکل ایسی تھی جیسے ہاتھی کے سامنے چیونٹی۔ مگر ان دو کم عمر مجاہدین نے ابو جہل کی دونوں آنکھوں پر تاک کر ایسا نشانہ مارا کہ خاک وخون میں تڑپنے لگا۔ آخر کار عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈالا۔

ان بچوں کے اندر نیزہ اٹھانے کی طاقت کہاں سے آئی......؟ ابو جہل کو جان سے مارنے کا حوصلہ کہاں سے آیا؟ دراصل یہ وہ ملکوتی توانائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بجلی کی طرح بھر دی اور اسلام کے سب سے قوی، جری اور ظالم دشمن کو بے بس اور ناتواں ہاتھوں سے ہلاک کروایا۔

غزوہ بدر تاریخ کی ایک سچائی ہے، جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اسلام کا حقیقی عروج اسی غزوہ سے شروع ہوا۔ کیوں کہ حق و باطل کے اس معرکے میں کافروں اور مشرکوں کو شکست دینے کے بعد مسلمان محض جلاوطن اور خانماں برباد مہاجر نہیں تھے بلکہ ان کے پاس ایک آزاد ریاست تھی اور وہ ایک زندہ اور آزاد قوم کی مانند مدینے میں رہ رہے تھے۔

☆......☆......☆

بقیہ: سیدنا عمرؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت

سیدنا عمرؓ نے پڑھنا لکھنا اور ابتدائی تعلیم حرب بن امیہ یعنی ابوسفیان کے والد سے حاصل کی۔ اگرچہ یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت نکھارنے، صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، کردار کو نمایاں کرنے اور نفس کو مہذب بنانے کا سب سے بڑا محرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت اور تعلیم گاہ نبوت سے فیض یاب ہونا تھا۔ ایسا ہادی اور معلم جسے اس کے رب نے تعلیم و تربیت دی تھی۔ یہ بلند اور پاکیزہ محبت ہی تھی جس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور آپ کے ساتھ کثرت گفتگو نے عمر رضی اللہ عنہ کو فصاحت و بلاغت، کلام میں روانی اور بات کرنے میں مختلف اسلوب عطا کیے۔

عمر رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی میں

بیشک امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فضل و منقبت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہیں۔ آپ انبیاء و مرسلین اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام انسانوں میں بلا قید و شرط سب سے افضل ہیں۔ آپ کی افضلیت کے متعلق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

خلافت صدیقی میں مرتدین سے قتال ہوا اور آپ نے ان کی ہوا اکھاڑ دی۔

جنگ یمامہ میں مسلمان شہداء میں ان شہیدوں کی تعداد زیادہ تھی جو قرآن کے حافظ تھے، اس کے نتیجے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا اور اسے چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں، کھجور کی شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے لے کر یکجا کیا گیا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا قرآن کا جمع کرنا مجھ پر بھاری پڑا۔

عدل و مساوات

ایک روایت میں ہے کہ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور کہا:

اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے، میں کمزور ہوں مجھے قوت دے دے، میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد حکومت کا ایسا منشور سامنے آتا ہے جس سے ہٹ کر چلنے کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے۔ آپ کے نظام حکومت

کے نمایاں خدو خال کچھ اس طرح ہیں:

(1) آپ خلافت کو ایک آزمائش سمجھتے تھے کہ اس سے آپ آزمائے گئے ہیں اور یہ کہ اس کے حق کی ادائیگی کے متعلق آپ سے محاسبہ کیا جائے گا۔

(2) آپ کی نگاہ میں منصب خلافت کا یہ تقاضا ہے کہ ملکی ذمہ داریوں سے متعلق جو معاملات بھی آپ کے سامنے آئیں انہیں آپ خود حل کریں اور رعایا پر جو آپ سے دور ہیں بہترین و باصلاحیت امراء اور گورنر مقرر کریں۔

(3) عمر رضی اللہ عنہ نے عسکری ادارے کو ترقی دی اور اپنے دور میں وہ ایسا زبردست فوجی ادارہ بنا کہ پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہ تھی۔

(4) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مالی محکمہ اور مالی خزانہ کو بہت ترقی دی، بیت المال کی آمدنی کے ذرائع اور ملکی مفاد میں اس کے مصارف کو نہایت منظم کیا۔

(5) آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں اس بات کی طرف آگاہ کیا کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی راہ میں اللہ کے تقوی، نفس کے محاسبہ اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے علاوہ کوئی دوسری چیز معاون نہیں ہو سکتی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عدل و انصاف کا نمونہ تھے جس نے دلوں کو فتح کر لیا اور عقلیں حیرت زدہ رہ گئیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر چلتے رہے، آپ کی سیاست اس عدل پر قائم تھی جس سے تمام انسان مستفید ہو رہے تھے۔ آپ حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے تھے۔ اللہ سے جلد ملاقات پر آپ کا ایمان اس قدر مضبوط تھا کہ ہر کام میں لوگوں کی رضامندی سے پہلے اللہ کی رضامندی کے طالب ہوتے تھے، صرف اللہ سے ڈرتے اور انسانوں میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

آپ نے ایک مسلمان کے خلاف یہودی آدمی کے حق میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا، یہودی کے کفر نے آپ کو اس بات پر نہیں ابھارا کہ آپ اس پر ظلم کریں اور عدل سے ہٹ جائیں۔ جب تک سارے مسلمانوں کو کھانا میسر نہ ہوتا آپ خود نہیں کھاتے تھے، آپ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔

معاشرتی اور مذہبی آزادی

خلفائے راشدین کی حکومتیں جن اہم اصولوں پر قائم تھیں ان میں سے ایک اصول ''آزادی'' کا بھی تھا۔ اس اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے تمام انسانوں کی ہر طرح کی آزادیوں کی ضمانت لی جائے۔ سیدنا عمرؓ ذمیوں کی غلطیوں سے بہت درگزر کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر وہ کبھی جزیہ دینے سے عاجز رہتے تو آپ انہیں معاف کر دیتے۔

اسلام ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا مکمل حق دیتا ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں یہ آزادی محفوظ تھی، عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو موقع دیتے تھے کہ اپنی بہترین آراء بیان کریں۔ عہد فاروقی اور خلفائے راشدین کے دور میں حاکم وقت پر تنقید اور اسے نصیحت کرنے کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

اے لوگو! تم میں کوئی بھی شخص اگر مجھ میں ٹیڑھا پن دیکھے تو اسے سیدھا کر دے۔

ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا: اگر ہم آپ میں ٹیڑھا پن دیکھیں گے تو اسے اپنی تلواروں سے سیدھا کریں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس امت میں ایسا بھی آدمی پیدا کیا ہے جو عمر کے ٹیڑھے پن کو اپنی تلوار سے سیدھا کرے گا۔

ہجری تاریخ کا آغاز

ابن مسیب سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ڈھائی سال گزر جانے کے بعد سب سے پہلے اسلامی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے علی بن طالب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے محرم کی 16 تاریخ کو اسے مقرر کیا۔

امیر المومنین کا لقب

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کہے جاتے تھے، لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی تو مسلمانوں نے کہا بہتر ہے کہ خلیفہ کے لیے کسی نام پر اتفاق کرلیا جائے تاکہ بعد میں آنے والے خلفاء کو بھی اسی سے پکارا جائے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے کہا: ہم مومن اور عمر ہمارے امیر کہے جائیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ "امیر المؤمنین" کہے جانے لگے اور آپ سب سے پہلے اس نام سے موسوم کیے گئے۔

اوصاف حمیدہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان ہی نے آپ کی شخصیت کو متوازی، بارعب اور پرکشش بنا دیا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے:

"جہنم کو کثرت سے یاد کرو، اس کی گرمی سخت ہے، اس کی گہرائی بہت طویل ہے، اس کا ٹھکانا بہت سخت ہے۔"

قرآن کے سایہ میں زندگی گزار کر، نبی صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرکے اور حیات فانی کا جائزہ لے کر آپ نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ دنیا ابتلاء و آزمائش کا گھر اور آخرت کی کھیتی ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ کی قسم! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہم سے ہجرت میں مقدم نہ تھے، میں جانتا ہوں کہ آپ کس چیز میں ہم سے افضل تھے، آپ ہمارے مقابلے میں سب سے زیادہ زاہد اور دنیا بیزار شخص تھے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ورع وتقوی کے شیدائی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع اور آپ کی نگاہ میں فضلاء کا قدر واحترام نمایاں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

عزت و احترام کے بارے میں کسی فضل وسبقت کو نظرانداز نہ کرتے تھے۔

عائلی زندگی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو رفاہ عامہ کے لیے خاص کی گئی ملکیتوں سے استفادہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔

ازواج مطہرات رضوان اللہ عنھن کی خبر گیری

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کے حالات معلوم کیا کرتے تھے۔کوئی میوہ یا پھل کھاتے تو اس میں ازواج مطہرات رضوان اللہ عنھن کا حصہ ضرور لگاتے۔

خواتین کی خبر گیری

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان عورتوں، لڑکیوں اور ضعیف خواتین کی خصوصی دیکھ بھال کرتے تھے، انہیں ان کا حق دیتے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہونے دیتے تھے۔جن خاندانوں کے مرد حضرات جہاد پر ہوتے ان کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھتے۔اگر لڑکیوں کو کوئی شادی کا پیغام دیتا تو قبول وانکار سے متعلق آپ لڑکیوں ہی کی طرف داری کرتے تھے اور کہتے: اپنی لڑکیوں کو قبیح آدمی سے شادی کرنے پر مجبور نہ کرو، کیوں کہ وہ بھی وہی پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو۔

تراویح

جس شخص نے سب سے پہلے لوگوں کو نماز تراویح کے لیے اکٹھا کیا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔اب کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ تراویح کی ایجاد عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور آپ ہی نے سب سے پہلے اس کی بنیاد ڈالی ہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس پر عمل ہو رہا تھا۔البتہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے تمام لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی بنیاد ڈالی، اس سے پہلے لوگ الگ الگ تراویح پڑھتے تھے تو آپ نے ان کو ایک امام کے پیچھے اکٹھا کر دیا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا راتوں کو گشت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ بذات خود مسلمانوں کی نگرانی اور پہرہ داری کرتے تھے تاکہ بذات خود ان چیزوں کو دیکھ اور سن سکیں جنھیں بعض عمال آپ تک پہنچانے میں تردد محسوس کرتے ہیں یا حقیقی صورت حال آپ کے سامنے پیش نہیں کر پاتے۔

جانوروں سے شفقت اور رحمدلی

جانوروں سے آپ کی شفقت اور رحمدلی صرف ایمان صادق کا نتیجہ تھی۔آپ کا دل ذکر الٰہی کی وجہ سے نرم ہو چکا تھا۔مسیب بن دارم سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک ساربان کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے: تم نے اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ لاد دیا ہے جسے اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

علم سے شغف

اسلام کے شروع دور میں آپ امت مسلمہ

کے فقیہ تھے۔علمی مدارس کی تاسیس میں سب سے پہلی اینٹ آپ نے رکھی اور یہ علمی مدارس جیسے بصرہ،کوفہ اورشام کے علمی مدارس امت مسلمہ کے دلوں میں کافی موثر ثابت ہوئے۔مدنی مدرسہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ دیگر شہروں کے لوگ مدینہ والوں کے علم پر بھروسہ کرتے تھے اور ہر علم وفتوی پر اسے مقدم رکھتے تھے۔

آپ ایسے تمام علوم کے سیکھنے سکھانے کا اہتمام کرتے جن کا تعلق قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو، خاص طور سے عربی زبان پر زیادہ ہی توجہ دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات

عراق کی فتح

جب عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو اہل عراق سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا، لیکن کوئی آگے نہ آیا۔اس لیے کہ وہ اہل فارس کی جنگی قوت اور خون ریز معرکہ آرائی کی وجہ سے ان سے جنگ کرنا ناپسند کرتے تھے۔پھر سب سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز پر ابوعبید ثقفی کے بعد سلیط بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ اس کے بعد آپ نے مثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مزید فوجوں کے ساتھ عراق جانے کا حکم دیا۔اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے شاہ فارس یزدگرد کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وفد بھیجا۔انہوں نے کہا: جزیہ دو یا اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بچالو۔لیکن یزدگرد نے کہا: اگر قاصدوں کا قتل کرنا خلاف اصول نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا، جاؤ تمہارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد ابوعبید اور مثنی اپنا اپنا لشکر لے کر خفان پہنچے اور مورچہ بندی کی تیاریاں شروع کر دیں۔پھر نمارق کے میدان میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔اس معرکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل فارس کو شکست دی۔

معرکہ قادسیہ

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی بے نظیر بہادری، درست رائے اور ایمانی قوت سے ان کے بہادر ساتھیوں نے دشمن کے قلب پر زبردست وار کیا، جس سے فارسی فوج کے قلب میں شگاف پڑ گیا۔سب سے پہلے اللہ کے فضل و توفیق سے، پھر جانباز مسلمانوں کی کوشش اور ان کے قائد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حکمت سے معرکہ قادسیہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

یہ بڑا سخت و جاں گسل معرکہ تھا، دشمن بڑی ثابت قدمی سے تین دن تک مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔تعداد و تیاری کی اس سخت کمی کے باوجود مسلمانوں نے اپنے آٹھ ہزار پانچ سو (8500) شہداء کو گنوانے کے بعد دشمن پر فتح کا پرچم لہرایا، اس معرکہ میں اتنی جانوں کے

نذرانے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ معرکہ بہت سخت جاں تھا اور مسلمان عزم وشجاعت کے پیکر بن کر شہادت کے لیے تیار تھے۔

اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں فتح مدائن، معرکہ جلولاء، فتح تستر، معرکہ نہاوند، معرکہ خراسان، فتح آذربائیجان، فتح اصطخر، دارابجرد کی فتح، فتح مکران، فتح کرمان و سجستان، فتوحات شام، فتح دمشق، بیت المقدس کی فتح، فتوحات مصر ولیبیا وغیرہ شامل ہیں۔

مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اس میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھر شامل کر لیا، توسیع میں دس ہاتھ قبلہ کی طرف، بیس ہاتھ مغرب کی طرف اور ستر ہاتھ شمال کی طرف بڑھایا، اس کی دوبارہ تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں پر کی۔ اس کے پائے لکڑی سے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی، اور چھت کے اوپر کھجور کی پتیاں ڈال دیں تاکہ لوگ بارش سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح آپ نے مسجد کو رنگ روغن کرنے اور اس میں نقش ونگار کرنے سے منع کر دیا تاکہ لوگوں کی نماز میں خلل نہ واقع ہو۔ شروع سے مسجد نبوی کا فرش مٹی کا تھا، آپ نے پتھروں سے اسے پختہ کرایا تاکہ لوگ صاف اور بہترین جگہ پر نماز ادا کرسکیں۔

آپ نے مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں بھی معمولی ترمیم کی، مقام ابراہیم جو خانہ کعبہ سے متصل تھا، وہاں سے ہٹا کر آج ہم جس جگہ دیکھ رہے ہیں وہاں منتقل کر دیا تاکہ طواف کرنے والوں اور نمازیوں کے لیے آسانی ہو جائے اور اس کے اوپر سائبان تعمیر کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں تکبیر تحریمہ شروع کی۔ آپ نے اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع ہی کی تھی کہ میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا: مجھ کو مار ڈالا۔

پھر یہ مجوسی اپنا دو دھاری چھرا لے کر بھاگا، دائیں بائیں جو مسلمان بھی ملا اسے زخمی کرتا ہوا بھاگتا رہا، یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا، ان میں سے سات لوگ مر گئے۔ یہ حال دیکھ کر ایک مسلمان شخص نے اس پر اپنا جبہ پھینک کر پھنسا لیا، جب اس نے سمجھ لیا کہ اب میں پکڑ لیا جاؤں گا تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔

یہ مجوسی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اور اس کا نام ابولولو تھا۔

صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ 1 محرم 23 ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا، اس وقت آپ کی عمر 63 سال تھی۔ آپ کی مدت خلافت دس سال چھ مہینے اور کچھ دن ہے۔

☆......☆......☆

بقیہ: سوئے مدینہ

بزرگ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ وہ ایک چادر بطور تہبند باندھے ہوئے،، اور ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور بڑے جوش اور بلند آواز کے ساتھ فرما رہے ہیں:

''مجھ سے نافع نے اور نافع نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا مجھ سے اس قبر کے مکین نے یہ کہتے ہوئے اُنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کیا اور پوری حدیث سنائی۔ جب بھی کوئی نئی حدیث سناتے تو سند کا سلسلہ جب نبی کی ذات تک پہنچتا تو وہ پھر روضہ رسول کی طرف اشارہ کرتے اور شائقین علم ایک نئے جذبے سے سرشار ہو جاتے۔

یہ منظر دیکھ کر اس کے دل پر ایک رعب سا طاری ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ بزرگ امام مالکؒ ہی ہیں۔

وہ سفر کی تھکان بھی بھول گیا اور مجلس کے اختتام تک وہیں بیٹھا رہا۔ اگلے دن وہ والی مدینہ کے محل پہنچا اور اسے والی مکہ کا وہ تعارفی خط پیش کیا جس میں والی مدینہ کو سفارش کی گئی تھی کہ وہ محمد بن ادریس کو امام مالکؒ کے درس حدیث میں با قاعدہ شرکت کی اجازت دلوانے میں اس کی مدد کرے۔ والی مدینہ نے خط نہایت غور سے پڑھا اور گویا ہوا:

''صاحبزادے! میرے لیے حضرت مالک بن انس کے دروازے پر حاضر ہونے کی نسبت مدینے سے مکے تک پا پیادہ گھسٹ کر جانا زیادہ آسان ہے۔

مجھ میں ان کی بارگاہ میں بات کرنے کا یارا نہیں۔ مدینے کا گورنر امام مالکؒ کی علمی وجاہت، مرتبے اور وقار کی ہیبت سے مرعوب نظر آ رہا تھا۔

نوجوان محمد امام مالکؒ کی علمی شہرت سے تو آگاہ تھا لیکن اس کے لیے یہ تجربہ نیا تھا کہ مدینے کا حاکم بھی ان کے تصور سے کانپ رہا تھا۔

''لیکن میری نسبت آپ کے لیے ان سے بات کرنا آسان ہے'' اس نے نہایت لجاجت بھرے انداز میں والی مدینہ سے کہا۔

''خدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ مشکل کے حل کے لیے میرے ساتھ چلیں! اللہ آپ کی مشکل آسان کرے گا۔''

اس کی بات سن کر والی مدینہ ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں امام مالکؒ کے دروازے پر پہنچ گئے۔

والئ مدینہ نے خود دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام خادمہ دروازے پر آئی اور والی مدینہ کا نام پوچھ کر اندر چلی گئی اور پھر کافی دیر بعد برآمد ہوئی اور کہنے لگی:

"میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو رقعہ پر لکھ دیجئے ،اس کا جواب مل جائے گا۔

اگر کسی حدیث کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے تو آپ کو حدیث کی مجلس کا دن یاد ہی ہے ۔لہٰذا آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔"

وہ حیران تھا کہ یہ کیسی عالمانہ وجاہت ہے کہ جس کے سامنے حاکم وقت بھی سرنگوں ہے۔

خادمہ مڑنے ہی والی تھی کہ والی مدینہ نے لجاجت بھرے انداز میں اس سے کہا، جا کر عرض کرو کہ والی مکہ کا ایک نہایت اہم خط لے کر میں حاضر ہوا ہوں۔

یہ سن کر خادمہ پھر چلی گئی ۔تھوڑی دیر بعد وہ ایک کرسی لے کر برآمد ہوئی۔ اس نے ایک مناسب جگہ پر کرسی رکھی ہی تھی کہ پیچھے پیچھے امام مالکؒ باہزار شان ووقار وتمکین جلوہ فرما ہوئے۔ کشادہ قامت، نورانی صورت، نہایت نفیس عبا زیب تن کئے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

والی مدینہ نے والی مکہ کا خط ان کی خدمت میں پیش کیا۔ امام مالکؒ یہ خط پڑھتے پڑھتے جب اس مقام پر پہنچے اس شائق علم (محمد ابن ادریس) سے گفتگو کر لیجئے اس سے حسن سلوک کا برتاؤ کیجئے اس کی آرزو پوری کیجئے۔

تو اُنہوں نے وہ خط ہاتھ سے پھینک دیا اور کہا:

"سبحان اللہ! کیا حضور ﷺ کا علم اب اس قابل ہی رہ گیا کہ وہ حکمرانوں کے وسائل اور رسائل کے ذریعے حاصل کیا جایا کرے گا؟"

اُس نے دیکھا کہ امام کے رعب اور ان کے غصے کی ہیبت کے باعث والی مدینہ کے مونہہ سے آواز نہیں نکل رہی تو اس نے آگے بڑھ کر خود معذرت پیش کرتے ہوئے کہا:

"حضرت! میں مکہ کا ایک ہاشمی مگر مفلس و بے نوا انسان ہوں۔ ذوق علم کی تسکین کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"

امام مالک اس کی بات سن کر اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔سر سے پیر تک اسے دیکھا اور پھر پوچھا:

"تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام محمد ہے۔"

"اپنا سلسلہ نسب بیان کرو!"

"محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن جنید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف۔

میرے جدامجد شافع اور ان کے والد سائب دونوں صحابی رسول تھے۔"

امام مالکؒ بڑی توجہ سے سنتے رہے اور جب محمد بن ادریس نے اپنی بات مکمل کر لی تو اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اِتّقِ اللہ فسیکون لکَ شان۔ خدا سے

ڈرتے رہنا تمہاری شان بڑی نمایاں ہوگی۔ اللہ نے تمہارے قلب پر نور کا القاء کیا ہے۔

ایسا نہ ہو کہ گناہوں کے ارتکاب سے یہ نور بجھ جائے۔"

کچھ توقف کے بعد پھر کہنے لگے:

"اچھا! کل آنا اور اپنے ساتھ ایک آدمی لیتے آنا جو تمہارے لیے قرآت کرے۔ مختلف اساتذہ کے درس کے طریقے مختلف تھے۔ اکثر شیوخ کا یہ دستور تھا کہ وہ خود کسی اونچی جگہ پر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے، طلباء سامنے صف بستہ بیٹھتے، استاد پڑھاتا جاتا یا روایت بیان کرتا، شاگرد اس کو لکھتے جاتے لیکن مدینہ منورہ کے اکثر شیوخ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی جمع کردہ احادیث، فتاوی کو خود ہی لکھ لیتے تھے اور کسی ذہین اور سمجھ دار طالب علم کو دے دیتے تھے۔ جب درس شروع ہوتا تو وہ شاگرد اس کو پڑھتا جاتا اور جہاں اس کی وضاحت کی ضرورت ہوتی شیخ اس کی وضاحت کرتا رہتا۔

یہی طریقہ امام مالکؒ کا تھا۔

امام مالکؒ کی مجلس بڑی باوقار ہوتی تھی۔ تمام طلباء مودب بیٹھتے۔ عود دان میں بخور سلگتا رہتا جس سے پورے ہال میں بھینی بھینی مہک پھیلی رہتی۔ استاد اور طلباء صاف ستھرا لباس پہن کر بیٹھتے۔ تمام مجلس پر خاموشی طاری رہتی، طلباء ورق بھی بڑی آہستگی سے پلٹتے۔ کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا گمان ہوتا تھا۔

طلبا کا ہجوم، فتویٰ لینے والوں کی بھیڑ، امراء کی حاضری، علما کا حاضر ہو کر فیضانِ نبوی حاصل کرنا، یہ سب باتیں دیکھنے والے پر رعب طاری کر دیتی تھیں۔

☆......☆......☆

دل مردہ کیوں......؟

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرمایا کرتے تھے:

اے لوگو! تمہارے دل دس وجہ سے مردہ ہیں۔

(۱) تم اللہ کو پہچانتے ہو لیکن اس کا حق ادا نہیں کرتے۔

(۲) تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہو، لیکن پھر بھی تم ان کے احکامات سے منہ موڑتے ہو۔

(۳) تم قرآن پڑھتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔

(۴) تم اللہ کی نعمتیں کھاتے ہو لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

(۵) تم کہتے ہو شیطان ہمارا دشمن ہے لیکن پھر بھی اسی کی مانتے ہو۔

(۶) تم کہتے ہو جنت حق ہے لیکن اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔

(۷) تم کہتے ہو جہنم برحق ہے لیکن پھر بھی اس سے بھاگتے نہیں ہو۔

(۸) تم کہتے ہو موت حق ہے لیکن اس کی تیاری نہیں کرتے۔

(۹) تم لوگوں کے عیب تراشتے ہو لیکن اپنے عیبوں کو بھول جاتے ہو۔

(۱۰) تم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(محمد ابوبکر)



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے دوست کے گھر کے باہر چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ آج ایک خاص کام کے لیے آئے تھے۔

انہیں انتظار تھا کہ کب ان کا دوست گھر سے باہر آئے اور وہ اپنا کام مکمل کریں۔ آخر ان کا انتظار ختم ہوا اور گھر کا دروازہ کھلا۔

ان کا دوست باہر آتا نظر آیا اور پھر جلد ہی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ انہوں نے ایک کلہاڑا اُٹھا رکھا تھا۔ وہ کلہاڑا تھامے آہستہ سے آگے بڑھے اور بے دھڑک گھر میں داخل ہو گئے۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟''

''آپ کے بھائی باہر گئے ہیں کچھ دیر تک واپس آجائیں گے۔''

دوست کی بیوی نے جواب دیا۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فوراً اس کمرے میں چلے گئے جہاں ان کے دوست کا بت رکھا ہوا تھا۔

جی ہاں! ان کے دوست ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ وہ اپنے دوست کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے کہ بتوں کی عبادت نہ کرو، ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، یہ بے جان بت کسی کام کے نہیں مگر انہیں یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی تھی۔ اس لیے انہوں نے آج یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس بت کو توڑ کر ہی رہیں گے۔ شاید اس طرح ان

کے دوست کی آنکھیں کھل جائیں۔

بت کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور بت پر کلہاڑے کا بھرپور وار کیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

جب ان کا دوست واپس آیا اور بیوی نے سارا ماجرا کہہ سنایا تو وہ سکتے میں آگیا۔اس کے سامنے اس کا بت، اس کا خدا ریزہ ریزہ ہوا پڑا تھا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا اور پھر اچانک اس کے منہ سے نکلا:

"لو کان عندھٰذا خیرٌ لدفع عن نفسہٖ۔

اگر اس بت میں کوئی خیر ہوتی تو یہ کم از کم اپنا دفاع تو کرتا۔(مستدرک حاکم جلد ۳)

پھر وہ فوراً گھر سے نکلے، اپنے دوست عبداللہ بن رواحہ کو ساتھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔اس کے بعد آپ نے اسلام کی نشرواشاعت اور حفاظت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔

حضور ﷺ نے انہیں "نعم الفارس" اور "حکیم ھٰذہ الامۃ" جیسے القابات سے نوازا۔انہوں نے ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

☆......☆......☆

وہ کون تھے شمارہ ذی الحج کا جواب:
حضرت سعید بن عاصؓ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ذی الحجہ کے انعام یافتہ

نورولی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

ابو بکر محمد عثمان ۔نعیم احمد۔ بنت کلثوم ۔نسیم حسین ۔محمد اویس ۔محمد احمد ترابی۔
ہمشیرہ محمد احمد۔ قاری محمد اسحاق۔ حافظ انس۔ حافظ اویس۔ حافظہ سعدیہ۔ نعیم احمد۔
محمد حزیفہ فاروقی ۔محمد بلال۔ بنت قاری محمد شاہد۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال: جناب محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!
امید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے، کیونکہ بہت سے لوگ عید پر گوشت کھانے کی وجہ سے ہسپتال پہنچ گئے کیا آپ بھی؟

جواب:
عید پر گوشت کھانے سے کوئی ہسپتال نہیں جاتا۔

(محمد ابوبکر عثمان)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
آپ کے محل کو بغور دیکھا تو اگر اوپر رہتے ہیں تو جاتے کیسے ہیں؟ ہمیں تو کوئی سیڑھیاں نظر نہیں آرہیں؟

جواب:
یہ محل دانش کدہ ہے دانش مندوں کو ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔

(بنت نصیر)

☆......☆......☆

سوال: جناب عالی!
مجھے شاعر بننے کا بہت شوق ہے کوئی طریقہ بتائیں کہ میں اعلیٰ پائے کا شعر کہنے کے لائق ہو جاؤں۔

جواب: پائے بکثرت کھایا کریں۔

(نصیر احمد نصیر)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
آپ کے اصل نام کو لے کر ہمارے یہاں بہت شکوک وشبہات ہیں۔آج ہمت کر کے ہمیں اپنے اصلی نام سے آگاہ کر دیں۔پلیز!

جواب:
پہلے شکوک وشبہات سے آگاہ کریں۔

(بنت نورالٰہی)

☆......☆......☆

سوال: مجھے بیرون ملک جانے کا بہت شوق ہے مگر پیسے نہیں ہیں۔کوئی آسان حل تجویز کریں۔

جواب:
اندرون ملک جانے کا شوق لگالیں یہی آسان حل ہے۔

(محمد ادریس)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
اس تابڑ توڑ گرمی میں کہاں کی سیر کا ارادہ بنایا ہوا ہے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

جواب:
ہم تابڑ توڑ سردی میں سیر کے شوقین ہیں۔

(انعم جاوید)

☆......☆......☆

سوال: محترم جناب!
ہمیں اپنوں نے لوٹا غیروں میں کہاں دم تھا
اس کا دوسرا مصرعہ اپنی پسند کا بنائیں؟

جواب:
سنا ہے آپ جب سو کر اٹھے تو بستر نم تھا

(خالد حسین)

☆......☆......☆

سوال: امتحان کے بغیر پاس ہونے کا کوئی نسخہ بتائیں۔

(بنت ابوبکر)

جواب: امتحان کو بائی پاس کر جائیں

☆......☆......☆

سوال: آج کل نومولود بچوں کے عجیب و غریب نام رکھے جا رہے ہیں۔اس بارے میں کوئی ایک جملہ؟

جواب:
وہ سارے نام ایک جملے میں نہیں آسکتے

(محمد رشید)

☆......☆......☆



محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ ذی الحجہ کا رسالہ ملا، ہر لحاظ سے خوب تر تھا۔ مسلمان بچے میں لکھنے والے سب لکھاری اچھا لکھتے ہیں۔ تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اس دفعہ جیسے سرورق رنگین دیئے ہیں ہر دفعہ ایسے دیا

دہلی و واشنگٹن کے بزدل دیکھیں گے
ہم پورے عالم پر اسلام کا پرچم لہرائیں گے

والسلام

(بنت ابوبکر)

☆......☆......☆

محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!



کریں، ویسے ہمارا پیارا رسالہ خوبصورت ہے لیکن اس دفعہ نظر لگنے کی حد تک تھا۔ شکر ہے لگی نہیں۔

بھائی جان! آپ بھی لکھا کریں نا، ہمیں آپ کی تحریر کا شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ اب ہر رسالے میں آپ کی کوئی جہادی تحریر ہونی چاہیئے۔

آخر میں اپنے پیارے رسالے کے نام شعر

مجتمع کریں گے ہم طاقت اپنی
کفر کے پجاریوں سے لڑ جائیں گے

امید کرتا ہوں کہ آپ خیر خیریت سے ہونگے، ہمیں اس بار ذی الحجہ کا شمارہ تاخیر سے ملا۔ سرورق نہایت شاندار تھا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔

حضرت امیر محترم حفظہ اللہ کی ایک تحریر ایک بھولا ہوا سبق بہت زبردست تحریر تھی۔ سب سے بہترین اور سب سے زبردست۔

بھائی جان مسلمان بچے میں کوئی انعامی سلسلہ

بھی شروع کیا جائے اور مسلمان بچے کا ایک شمارہ کہانی نمبر کے نام سے نکالا جائے۔شکریہ

(محمد عابد انصاری)

☆......☆......☆

محترم جناب ابوامامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

''مسلمان بچے'' میں خط لکھتے ہوئے میری ۴ سالہ اکلوتی بیٹی مریم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ میں نے بتا دیا تو انہوں نے اصرار کیا کہ میرا خط بھی لکھا جائے ان کے اصرار پر انکے بچگانہ جہادی تاثرات ان ہی کے الفاظ میں لکھ رہی ہوں۔

''میرا نام مریم ہے، میں کے جی، ون میں پڑھتی ہوں، پہلے میں نرسری میں پڑھتی تھی۔ مجھے امیر محترم بہت اچھے لگتے ہیں۔میں سعدیہ جہادی سے بہت پیار کرتی ہوں اور جب میں کھیلتی ہوں تو کھیل میں اپنا نام سعدیہ جہادی رکھتی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ امیر محترم بھی مجھے بہت پیار کرتے ہوں گے۔ کافروں کے پاس بہت ساری بندوقیں ہیں، گولیاں ہیں اور مجاہدین کے پاس بہت زیادہ نہیں ہیں۔ مجاہدین ان سے وہ بندوقیں چھین لیں گے اور کافروں کو ماریں گے۔(آمین)

جب ہم شہید ہو جائیں گے تو جنت میں غازی بابا سے ملیں گے (ان شاء اللہ) میں نے عقیدہ جہاد بھی یاد کیا ہے اور دوسرے بچوں کو بھی یاد کرواؤں گی۔ان شاء اللہ

میں اپنے گھر میں ''جہاد فنڈ'' کے ڈبہ میں اپنے پیسے بچا کر ڈالتی ہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔'' آمین

مریم اسد

☆......☆......☆

محترم جناب ابوامامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ، آپ کی پوری ٹیم، ہمارے مجاہدین بھائی اور خصوصاً حضرت امیر محترم خیریت سے ہونگے اور دین کی خدمت میں سرگرم ہونگے۔بھائی میں جب بھی کسی مجاہد کا واقعہ پڑھتی ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے یہ سارا کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔خصوصاً آپی سعدیہ جہادی کی کتاب ''جہاد ہند کا غازی جرنیل'' پڑھ کر کئی مرتبہ تو روئی اور مکمل کتاب پڑھتے ہوئے ایسے لگا کہ میں بھی کشمیر کی حسین اور خوش نصیب وادی کا حصہ ہوں، جہاں اُس عظیم مجاہد کے پاؤں کے نشانات ہیں۔بھائی مجھے مجاہد اتنے اچھے لگتے ہیں کہ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ خدا نے مجھے لڑکی کیوں بنایا، کاش میں بھی لڑکا ہوتی اور اپنی بہنوں کے آنچل کی حفاظت کرتی لیکن اب بھی میری دعائیں مجاہدین کے ساتھ ہیں۔

والسلام

(ہمشیرہ محمد بلال، خان پور)

☆......☆......☆

محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے بھائی آپ خیر و عافیت سے ہوں گے، اللہ رب العزت آپ کو سدا اسلامت رکھے مجھے مجاہدین بھائیوں سے بہت زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں کو سدا ترقیاں عطاء فرمائے۔ مجھے بہت شوق ہے کہ میرا بھی کوئی بھائی مجاہد بن جائے اور آخرت میں ہماری پوری فیملی کے لئے شفاعت کا سبب بن جائے۔ میرے پیارے بھائی! مجھے شہادت کا بہت شوق ہے۔ آپ میرے لئے دعا کیا کریں اللہ رب العزت مجھے شہادت جیسی عظیم نعمت عطاء فرمادیں کیونکہ آپ مجاہد ہیں اور آپ کی دعائیں بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ میں نے زبیر طیب کی کتاب ''جانباز'' پڑھی تو میرا دل اور زیادہ شہادت کے لئے تڑپنے لگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے رسالے کو دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب کریں۔ آمین

والسلام

(بنت نصیر، کبیر والا)

☆......☆......☆

محترم جناب ابو امامہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بھائی جان آپ اور باقی ساری مجاہدین کی ٹیم بحکم الٰہی خیر و عافیت سے ہونگے اور جہادی کاموں میں خوب مشغول ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے۔ آمین

بھائی جان ہم مسلمان بچے میں نئے اور پہلے مہمان آئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری خوب مہمان نوازی کریں گے اگر آپ نہ کریں گے تو ردی کی ٹوکری تو ہے۔

ماشاء اللہ میں بہت خوش ہوں کہ عام گندے ڈائجسٹ اور رسالوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچا کر بنات عائشہؓ، مسلمان بچے، مدینہ مدینہ عطاء فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پوری دنیا میں شائع فرمائیں، ہر گھر کی زینت بنائیں آمین۔

ہمارے لئے بھی دعا فرما دیا کریں باقی تمام لکھاریوں کو بھی اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطاء فرمائے۔ سب قاریوں اور لکھاریوں سے دعاؤں کی درخواست ہے خصوصاً حضرت امیر محترم اور مجاہدین بھائیوں سے۔

بھائی جان میں نے ایک تحریر بھیجی ہے، اگر قابل اشاعت ہوئی تو شائع فرما دینا اگر نہ ہوئی تو بتا دینا۔

والسلام

(بنت کشمیر)

☆......☆......☆

تحریروں کی دُنیا

جذبہ ایثار

ٹیچر یہ آپ کیا بنا رہی ہیں؟ ارمان نے ٹیچر سے سوال کیا پانچویں اور چھٹی جماعت کے بچوں کے ساتھ مل کر چیریٹی باکس بناتے ہوئے ٹیچر نے مسکراتے ہوئے دوم کلاس کے ارمان کو دیکھا۔

بچو! کل ہم سب سکول میں فلسطین کے بچوں کے لیے عطیات اکٹھے کریں گے، آپ کو پتہ ہے نا! وہ کتنی مشکل میں ہیں اور ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو اُسے نفع پہنچائے۔ (مسلم)

ٹیچر! ہم انہیں نفع کیسے پہنچا سکتے ہیں؟ زین نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

بچو! عطیات یعنی تحائف بھیج کر اس دکھ اور پریشانی کی گھڑی میں ان کی مدد کر کے ہم انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا ایک اور فرمان ہے جو کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے گا اللہ عزّ وجلّ قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی ایک پریشانی دور فرمائے گا۔ (مسلم)

ٹیچر ہم ضرور مدد کریں گے۔ سب بچوں نے پُر جوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔

شاباش! یہ ہوئی نا بات۔

اگلے دن ہر جماعت میں ایک ایک چیریٹی باکس رکھ دیا گیا۔ کپڑے، جوتے اور کافی رقم جمع ہو گئی۔ سارے سامان کو پیک کر کے بند کر رہے تھے کہ نرسری کلاس کا سعد بھاگتا ہوا آیا۔

ٹیچر ٹیچر بات سنیں۔ سعد نے دوڑتے ہوئے آواز دی۔

جی سعد بچے کیا ہوا؟

میرے پاس ایک چاکلیٹ ہے۔ میں یہ چاکلیٹ بھیجوں گا فلطین، فلسطین کے بچوں کے لیے۔ سعد بولا۔

ہی ہی ہی۔۔۔چ۔چچ۔۔۔ چاکلیٹ! ہاہا اتنی چھوٹی سی۔ سب بچے ہنسنے لگے۔

بچو! ایسے نہیں ہنستے۔ چاکلیٹ تو چھوٹی ہے لیکن سعد کا جذبہ ایثار دیکھو کتنا بڑا ہے اور کسی مسلمان کی تکلیف میں اس کی مدد کرنے کے لیے چھوٹی سی کوشش کرنا بھی نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے۔

از، ثوبیہ اللہ رکھا (میرپور آزاد کشمیر)

☆......☆......☆

ہمدردی کا جذبہ

علی اور حارث دو بہت ہی پیارے دوست تھے۔ دونوں ایک ہی گلی میں رہتے تھے۔ دونوں بہت سعادت مند بچے تھے۔ جولائی کا مہینہ تھا گرمی اپنے عروج پر تھی دوپہر کا وقت تھا دونوں دوست گرمی سے پریشان ہو کر اپنے اپنے گھر سے نکل کر گلی میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا آدمی تپتی دھوپ میں اپنا سبزیوں سے لدا ہوا ٹھیلا دھکیلتا ہوا آتا ہے۔ اور وہ گرمی سے نڈھال ہو کر علی اور حارث کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔ حارث نے مڑ کر آدمی کے طرف دیکھا۔ سبزی والا بالکل پسینے سے لت پت تھکا تھکا سا تھا

حارث کو ان پر بہت رحم آیا۔ حارث بھاگتے ہوئے اپنے گھر گیا اور ایک ٹھنڈا پانی کا گلاس لے کر آیا۔"انکل پانی پی لیں"

سبزی والے نے حارث کے طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس لیتے ہوئے کہا۔

"شکریہ بیٹا! نام کیا ہے آپ کا؟"

"حارث نام ہے میرا انکل!" اور اسی دوران علی بھی چہکتے ہوئے بول اٹھا۔

"میرا نام علی! ہے انکل اور حارث میرا دوست ہے"

سبزی والے نے مسکراتے ہوئے دونوں سے کہا "بہت پیارا نام ہے بیٹا دونوں کا" اور بیس بیس کے دو نوٹ نکالتے ہوئے علی اور حارث کو دینے لگا۔"یہ لو بیٹا میرے طرف آپ کے لیے" نوٹ دیکھتے ہی دونوں ایک ساتھ بولے۔"نہیں انکل ہم یہ نہیں لے سکتے آپ سے" سبزی والے نے کہا!

"کیوں نہیں لے سکتے آپ؟ میں نے بھی تو آپ سے پانی لیا ہے" حارث بولا۔

"جی! انکل پر اس کے بدلے مجھے تو میرا انعام مل گیا ہے" سبزی والے نے حیران ہوتے ہوئے حارث سے کہا۔"لیکن بیٹا آپ نے تو ابھی لیا ہی نہیں"

"انکل آپ سے نہیں لیا لیکن اللہ تعالیٰ سے تو لیا ہے نا! میری امی کہتی ہیں اگر ہم کسی کو ایک گلاس پانی پلائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہمارے حصے میں دس نیکیاں لکھتے ہیں! اس لیے ہم آپ سے یہ پیسے نہیں لے سکتے۔" سبزی والے نے مسکراتے ہوئے دونوں کو دعائیں دی اور اپنا ٹھیلا دھکیلتا ہوا تپتی دھوپ میں پھر سے اپنا سفر شروع کیا۔

حارث اور علی نے وہاں بیٹھ کر دیکھا کہ تقریباً زیادہ تر مسافر ایسی حالت میں تھے تھکے ہوئے اور سخت گرمی کے وجہ سے نڈھال۔ ان کو دیکھ کر علی کے ننھے دماغ میں ایک ترکیب سوجی اور حارث سے کہا۔

"حارث تم دیکھ رہے ہوں یہ جو بھی انکل کچھ نہ کچھ بیچنے کے لیے آرہے ہیں گرمی سے وہ کتنے تھک جاتے ہیں اور کوئی انہیں پانی بھی پلانے والا نہیں ہے! کیوں نہ ہم یہاں ایک پانی کا مٹکا لگا دیں جس سے وہ سب مسافر پانی پی سکے"

"ہاں یہ تو تم نے بہت اچھا سوچا ہے! پر مٹکے کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟" حارث نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"ارے ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں" دونوں اب مایوس ہوگئے تھے۔"آئیڈیا!!!" علی نے چہکتے ہوئے کہا۔"کیا ہوا علی" حارث نے اس کے طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کرتے ہیں میں اپنا گلک توڑ کر پیسہ لاتا ہوں اگر تمہارے پاس کچھ ہو تو تم وہ لے کر آؤں"

"ہاں یہ ٹھیک ہے میرے پاس کچھ پیسے ہیں" پھر دونوں اپنے اپنے جمع شدہ پیسہ لے کر آئے اور دونوں مٹکا خریدنے چلے گئے۔ مٹکا لا کر دونوں نے اس میں پانی بھر کر باہر ایک مناسب جگہ دیکھ کر مٹکا رکھ دیا اور یہ کام کر کے دونوں کو بہت خوش ہوئے۔

اب ہر کوئی آنے جانے والا آسانی سے اس میں سے پانی پیتے تھے اور وہ دونوں دور بیٹھے خوش ہو کر انہیں دیکھتے رہتے تھے۔

از: عابد علی

☆......☆......☆

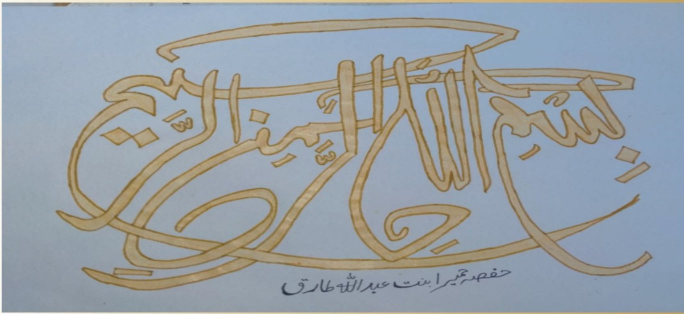
آرٹ گیلری

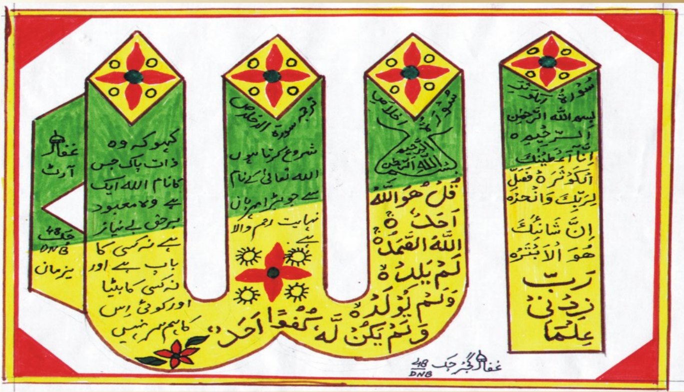









بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حفصہ حمیرا بنت عبداللہ طارق


سورۃ کوثر
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
انا اعطینک الکوثر ۝ فصل لربک وانحر ۝
ان شانئک هو الابتر ۝
رب زدنی علما
سورۃ اخلاص
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قل هو اللہ احد ۝
اللہ الصمد ۝
لم یلد ۝
ولم یولد ۝
ولم یکن لہ کفوا احد
ترجمہ سورۃ الاخلاص
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
کہو کہ وہ ذات پاک جس کا نام اللہ ایک ہے وہ معبود برحق بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں
غفار آرٹ
چک 48 DNB یزمان
غفار گجر چک 48 DNB


اللہ جل جلالہ
محمد ﷺ
محمد عثمان شہید
محمد وقاص آف لیاقت پور


تسنیم اختر


جہاد
فی سبیل اللہ
روزہ
نماز
حج
العزیز
الرحیم
الرحمن
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
یا اللہ یا محمد
اسلام
رفاقت علی

خضر حیات


اے ارض فلسطین ہمکو تیری قسم
تیری بیٹیوں کا بدلہ چکائیں گے ہم
تیری بربادیوں پر بہت روئے ہیں ہم
فتح کا جشن اب تو منائیں گے ہم


فلسطین جل رہا ہے مسلمان کہاں ہے
مسلمان تیرا جذبہ ایمان کہاں ہے
فلسطین زندہ باد
اسرائیل مردہ باد

دیوانوں کی شان

عزت، عظمت کیا کہنے فردوس کے ان مہمانوں کی
دنیا والے کیا جانیں کیا شان ہے ان دیوانوں کی

اترے ہیں آفاق فدائی جیسے میدان میں جب سے
بھاگ رہے ہیں اہلِ ستم، للکار ہے شیر جوانوں کی

اک اک کرکے ٹوٹیں گے بت نخوت اور تکبر کے
ضرب کلیمی گردش میں ہے خیر نہیں بت خانوں کی

جوش میں ہے اب غیرت اور شجاعت ان جانبازوں کی
موت یقینی ہے اب ان فرعونوں اور ہامانوں کی

جیش کے جانبازوں نے جب سے دشمن پہ شب خوں مارا
لرزش میں ہیں بنیادیں سب باطل کے ایوانوں کی

یہ ظالم سے کہہ دو، ان کی ظالم رسمیں خاک ہوئیں
دار ورسن کی، زنجیروں کی اور عقوبت خانوں کی

ظلم وستم سے، بدمستی سے پاک کریں گے دنیا کو
اہل اللہ کی زد میں ہے اب دھرتی سب میخانوں کی

رب کی نصرت کے جھونکوں کی اب تو آمد آمد ہے
جیت ہے اہل حق کی انور، ہار ہے اب شیطانوں کی